

مقاصد الاسلام

حصہ یازدہم

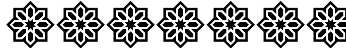
تالیف

حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر

محمد انوار اللہ فاروقی

فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ

فہرست مضامین



الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنامحمد والہ واصحابہ اجمعین .

بعد حمد وصلوۃ اہل اسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے، جب تک اہل اسلام میں کامل طور پر ادب رہا دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہی ۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے جو مشکوۃ شریف میں مذکور ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کریگی ۔ پوچھا جائے گا کہ آیا تم میں کوئی صحابی بھی ہے؟ کہا جائے گا۔ ہاں! تو اس وقت ان کو فتح ہوگی ۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی ۔ پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو صحابہ کے ساتھ رہا ہے؟ کہا جائے گا ہاں! تب ان کو فتح ہوگی ۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی ۔تو پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو ان لوگوں کو دیکھا ہو جنہوں نے صحابہ کو دیکھا؟ کہا جائے گا ہاں! تب ان کو فتح ہوگی ۔اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کی برکت سے لوگ فتحیاب ہوا کرتے تھے ۔ جو کمال درجہ کے آداب داں تھے ۔ برخلاف اس کے اس زمانہ میں بے ادبی اکثر لوگوں میں آ گئی اسی وجہ سے بجائے ترقی تنزل روز افزوں ہے ۔ اگر ہم لوگ اپنی حالت کو درست کرلیں تو کیا تعجب کہ ہم پر پھر فیضان الٰہی نزول کرنے لگے ۔مگر اس زمانہ میں ممکن نہیں کہ سب یہ طریقہ اختیار کریں ۔ایسے موقع میں بہتر یہی ہے کہ آدمی صرف اپنی ذات سے عمل کرلے ۔اوروں کی فکر نہ کرے ۔۔

اختلافی زمانہ میں اپنی فکر کرنی چاہیئے

چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جو مشکوۃ شریف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑجائے تو جن چیزوں کو تم جانتے ہو ان پر عمل کرو اور جن چیزوں کو نہیں جانتے انکو چھوڑ دو، اور اپنی ذات کی فکر کرلو ۔عوام کو ان کی حالت پر چھوڑ دو ۔انتہی ملخصا ۔

غرض کہ کوئی کچھ ہی کہے ہمیں اس بات میں صحابہ کرام سے سبق لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہمارے اسلام کی ابتداء انہیں سے ہوئی۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جن امور سے ابتداء ہوتی ہے وہی قابل استناد ہوا کرتے ہیں۔

ضرورت اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم

یہی بات اس صحیح روایت سے جو مشکوۃ شریف میں ہے ثابت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے تھے اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہ نے پوچھا وہ فرقہ کون ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوں گے۔ انتہیٰ۔ اس روایت سے ضرورت اس امر کی ثابت ہوتی ہے کہ معاملہ آداب میں صحابہ کا طرز عمل کیسا رہا تلاش کر کے ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔

فضائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قبل اس کے کہ صحابہ کے آداب بیان کئے جائیں مناسب سمجھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے چند فضائل بیان کئے جائیں جن سے آنحضرت ﷺ کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آدمی اس کا ادب کرتا ہے جس کی عظمت اس کے دل میں ہوتی ہے۔

نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برعرش وغیرہ مرقوم است

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو دیکھا کہ ساق عرش پر اور جنت میں ہر جگہ نام محمد ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ عرض کیا یارب یہ محمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ وہ تمھارے فرزند ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ عرض کیا یارب اس فرزند کی حرمت سے اس والد پر رحم کر۔ ندا آئی کہ اے آدم اگر تم محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے کل زمین وآسمان والوں کے حق میں سفارش کرتے تو بھی ہم قبول کر لیتے۔

اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب آدم علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تو عرش کی طرف سر اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی بحق محمد ﷺ مجھے بخش دے۔ان پر وحی ہوئی کہ محمد کون ؟عرض کیا الٰہی جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ کسی شخص کا مرتبہ تیرے پاس نہو گا، وحی آئی کہ اے آدم تمھاری اولاد میں وہ سب نبیوں کے آخر ہوں گے۔اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی نہ پیدا کرتا۔انتہیٰ

یہ روایتیں اور اسی قسم کی دوسری کئی روایتیں جن میں مذکور ہے کہ حضرت کا نام مبارک جنت کے ہر مقام میں اور ہر درخت کے پتوں اور حوروں کے سینوں وغیرہ میں مکتوب ہے۔ہم نے انوار احمدی میں نقل کر کے ان سے متعلق ضروری مباحث بھی کئے ہیں۔

یہاں کئی امور قابل توجہ ہیں۔منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حق تعالی نے ساق عرش پر اور جنت کے ہر مقام میں حضرت محمد ﷺ کے نام مبارک کو لکھا ہے۔اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم سے لکھا ہوا ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جب سر اٹھا کر دیکھا تو نام مبارک کو عرش پر لکھا پایا۔یہاں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نام مبارک کو عرش پر اور جنت کے ہر مقام میں لکھنے سے کیا غرض ہوگی۔یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ معاذ اللہ کسی قسم کی شرکت ملائکہ وغیرہ کو معلوم کرانا ہو، جیسا کہ مشترکہ کارخانوں میں شرکاء کے نام جگہ جگہ لکھے رہتے ہیں۔پھر یہ لکھنا اس زمانہ میں تھا کہ حضرت کا وجود بھی نہ تھا۔اگر لکھنے کے وقت حضرت موجود ہوتے تو یہ خیال کیا جا سکتا کہ کوئی کام حضرت کا پسند آ گیا ہوگا۔اس لئے خاطر سے یا خوش کرنے کے لئے لکھا گیا۔ادنیٰ تامل سے یہی ثابت ہوگا کہ حق تعالی کو منظور تھا کہ تمام عالم علوی میں آپ کی عظمت متمکن اور ذہن نشین ہو جائے۔کیونکہ اس عالم کے رہنے والوں کی نظر جب اس نام پاک پر ہر وقت پڑتی رہے گی اور معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نام مبارک کے ساتھ ہر جگہ آپ کا نام

لکھا ہے تو ضرور ہر شخص کا خیال اس طرف متوجہ ہوگا، کہ جب عالم علوی کے موجودہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں سے کسی معزز ومکرم فرشتہ کا نام نہیں لکھا گیا اور جس کا نام مبارک لکھا گیا وہ موجود بھی نہیں تو وہ ضرور ایسے شخص ہیں کہ تمام اولین وآخرین میں سب سے افضل اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب سے معظم ومکرم ہیں، اوران کے قدوم میمنت لزوم کے آمد آمد کی انتظار میں تمام عالم علوی رہے گا۔

اب غور کیجئے کہ اگر کسی ملک کا بادشاہ اپنے نام کے ساتھ کسی معزز شخص کا نام مختلف مقامات میں لکھ کر لگائے تو تمام ملک میں وہ شخص کیسا معزز سمجھا جائے گا۔ پھر جب خدائے تعالیٰ نے حضرت کے نام مبارک کو تمام عالم علوی میں ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ لکھا تو ساری خدائی میں آپ کی کسقدر عزت وعظمت سمجھنی چاہئے مگر بات یہ ہے کہ عالم علوی کے حالات کو سوائے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے کون جانے ، عالم سفلی میں ابوالبشر علیہ السلام کی نظر کا کوئی شخص ہو تو وہ جان سکتا ہے، بادشاہ کے نام کے ساتھ جس کا نام لکھا ہو اس کی عزت وہی کرے گا جو آدمی ہو جانوروں کو اس سے کیا تعلق۔ اسی طرح ناواقف بہائم سیرت حضرت ﷺ کی عظمت کو کیا جانیں۔

الحاصل حق تعالیٰ نے عرش اور جنتوں میں جو آپ کا نام ہر مقام میں لکھا اس سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام عالم میں آنحضرت ﷺ کے جیسا عظمت وعزت والا نہ کوئی فرشتہ ہے نہ آدمی۔

ملائکہ نیز کلمہ آنحضرت ﷺ میخوانند

روایات مذکورہ میں جو وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عرش وغیرہ پر لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے جیسا کہ دوسری روایت سے ثابت ہے اس سے ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ جس پر ہمارے دین میں مدار اسلام ہے وہ قدیم ہے۔ کل فرشتے بھی وہی کلمہ پڑھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہی بات اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ جو حضرت نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا کہ آدم ہنوز پانی اور کیچڑ میں تھے۔ کیونکہ اس

وقت کوئی فرشتہ نہیں جانتا تھا کہ آدم علیہ السلام یا ان کی اولاد میں کوئی نبی ہونے والے ہیں بلکہ سب یہی جانتے تھے کہ اگر رسول اللہ ہیں تو محمد ﷺ ہیں۔

خیالات وہابیہ

جب یہ امر بخوبی مسلمانوں کے ذہن نشین ہو جائے تو اس کے بعد ابن عبدالوہاب نجدی جس کی طرف فرقہ وہابیہ منسوب ہے اس کی تقریر پر بھی غور کر لیا جائے کہ اس نے مسلمانوں کو کیسے دھوکہ میں ڈالدیا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کی عظمت ثابت نہ ہونے پائے اس لئے جتنے آیات واحادیث حضرت کی فضیلت میں وارد ہیں ان میں کلام کر کے ان آیات واحادیث کو پیش کیا جن میں بظاہر کسرشان معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کی تعلیم میں یہ بات داخل ہے کہ اس قسم کے آیات واحادیث کو ازبر کرادیتے ہیں۔ اور فضائل سے متعلق نصوص میں اقسام کے تاویلات اور توجیہات کرتے ہیں۔

چنانچہ رسول کے معنی میں جس قدر عظمت وعلوشان تھی اسی قدر لفظ رسول سے اس نے توہین نکالی۔ لکھا ہے کہ رسول ایسے کم درجے کے نوکر کو کہتے ہیں جو کسی معزز شخص کے پاس پیام پہونچانے کی غرض سے بھیجا جاتا ہے۔ اس وجہ سے معزز و معظم وہی ہوگا جس کے پاس رسول بھیجا جائے۔ دیکھئے تعصب نے اسے کہاں سے کہاں لے گیا۔ اور ایک جماعت اس کے تابع بھی ہوگئی۔ چنانچہ تلاحق افکار سے اس میں موشگافیاں ہوتے ہوتے اب تو یہ نوبت آ پہنچی کہ محمد رسول اللہ کو کلمہ ہی سے نکالدیا چنانچہ یہ فرقہ حیدرآباد میں اس وقت موجود ہے اب ان سے پوچھئے تو بھی کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) تو پیام پہنچا کر چلے گئے۔ اب ان سے تعلق ہی کیا۔ عمل کرنے کے لئے قرآن موجود ہے۔ اس دھوکہ میں بے علم مسلمان آجاتے ہیں۔ اور اس کی جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ لوگ غور کریں کہ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس وقت فرشتے حضرت کا کلمہ پڑھتے تھے حالانکہ

حضرت نے کوئی انھیں پیام نہیں پہنچایا جس سے آپ کو رسول ماننے کی ضرورت ہو۔بخلاف ہمارے کہ ہم حضرت کی امت میں ہیں ۔معلوم نہیں یہ لوگ کیا حضرت کے امتی ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں؟ بخاری، مسلم وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تو ان کے (یعنے محمد ﷺ کے) بارے میں کیا کہتا ہے۔ایماندار تو کہہ دے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں فرشتے اس کے لئے ایک کھڑکی کھول دیں گے۔جس سے جنت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی رہے گی اور وہ اس کی سیر کرتا رہے گا اور منافق وکافر کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔لوگ جیسا کہتے تھے میں بھی کہتا تھا۔فرشتے لوہے کے گرزوں سے اسے خوب ماریں گے۔انتہٰی ملخصا۔

منشاء غلطی وہابیہ

اب غور کیجئے کہ جو لوگ کلمہ میں محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے قبر میں ان کا کیا حال ہوگا۔اور جو لوگ پڑھتے ہیں وہ کیسے نازونعمت میں رہیں گے۔یہ لوگ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں اور نماز وروزہ وغیرہ بھی بڑے اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور اکثر اعتقادات میں اہل سنت وجماعت کے موافق بھی ہیں۔مگر آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء واولیاء کی تعظیم کے مسئلہ میں مخالف ہیں اس کا منشاء یہ ہوا کہ انہوں نے خدائے تعالی کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال کیا کہ اگر کسی اور کی بھی تعظیم کی جائے تو خدائے تعالی کی عظمت میں کمی ہو جائے گی اس وجہ سے ایسے آیات واحادیث تلاش کرنے کی انھیں ضرورت ہوئی کہ جس سے ان مقربان بارگاہ الٰہی کی کسر شان ہو اور یہ خیال یہاں تک انھیں پہنچایا کہ جن نصوص میں ان حضرات کی عظمت وارد ہے ان میں بھی کلام کرنے لگے اور یہ خیال نہیں کیا کہ اس سے خدائے تعالیٰ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر طرح کی توحید قائم کی جائے۔معاذ اللہ شرک کی بنیاد قائم کی۔ دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے: انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذيرا لتومنوا بالله ورسوله وتعزروه

وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلاہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم ۔
اس آیت شریفہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔ یعنے اپنی امت پر اور جمیع انبیاء کے کاموں پر گواہی دینے والے ۔اور فرمایا کہ آپ اہل ایمان کو خوش خبری دینے والے اور بے ایمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔ یہاں تک تو حضرت کی طرف خطاب تھا اس کے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ہم نے ان کو اس واسطے بھیجا ہے کہ تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ۔اور ان کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام ان کی پاکی بیان کرتے رہو۔اے رسول اللہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے صرف اللہ سے بیعت کرتے ہیں ۔آپ کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے انتہیٰ ۔ لیجئے یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ ہو رہا ہے کہ غیریت اٹھادی جارہی ہے۔اور من تو شدم تو من شدی کا مضمون ارشاد ہو رہا ہے۔ جہاں اس قسم کی خصوصیت بیان کی اسی موقع میں مسلمانوں کو ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ ان کی تعظیم وتوقیر کرو۔اب اگر کہا جائے کہ یہ تعظیم آنحضرت ﷺ کی ہے تو بھی صحیح ہے۔اور اگر کہا جائے کہ خاص حق تعالیٰ کی وہ تعظیم وتوقیر ہے تو بھی صحیح ہے۔جس طرح بیعت میں کہا جا سکتا ہے۔اس کے بعد اگر کوئی آنحضرت ﷺ کی توہین اور کسر شان کرے تو وہ بھی خدا کی توہین ہوگی۔ چنانچہ یہی بات صاف طور پر حدیث شریف میں وارد ہے من سبنی فقد سب اللہ یعنے جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی ۔گالی وہی نہیں ہوتی جو عرف میں مشہور ہے۔ بلکہ مقصود گالی سے فقط کسر شان مقصود ہوتا ہے ۔اس وجہ سے جس بات میں آنحضرت ﷺ کی کسر شان بیان کی جائے وہی گالی ہوگی۔ درمنثور میں تعزروہ وتوقروہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت شریفہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ امر اللہ بتسویدہ وتفخیمہ وتشریفہ وتعظیمہ یعنی خدائے تعالی نے حکم فرمایا کہ حضرت کی سیادت تسلیم کرو۔اور ان کی تعظیم کرو اور ہر قسم کا شرف آپ کیلئے مسلم رکھو اور نہایت بزرگ سمجھو۔اب غور کیجئے کہ خدائے تعالی تو حضرت کی سیادت اور تعظیم کے لیے ارشاد

فرماتا ہے۔اور آخری زمانہ کے بعض لوگ رسول کے معنی ہرکارہ لے کر توہین کرتے ہیں ۔کس قدر خدائے تعالی کی مخالفت کی جارہی ہے ۔مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کے جوابات دے کر حضرت کی فضیلت ثابت کریں۔استیعاب میں حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مشرکین قریش آنحضرتﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ ہمارے طرف سے آپ جواب دیجئے اور ان کی ہجو کیجئے ۔فرمایا اگر حضرت مجھے اجازت دیں تو میں یہ کام کروں گا۔لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اجازت دیجائے ۔فرمایا کہ علی اس بات میں اس درجہ میں نہیں ہیں۔جن لوگوں نے رسول اللہﷺ کی ہتھیاروں سے مدد کی ۔زبان سے مدد کرنے میں ان کو کونسی چیز مانع ہے۔یہ سن کر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آمادہ ہوئے ان سے فرمایا تم ان کی کس طرح ہجو کرو گے ۔حالانکہ میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں ۔ابوسفیان کی تم کس طرح ہجو کرو گے وہ تو میرے چچا کا بیٹا ہے۔ انہوں نے عرض کیا میں ان میں سے آپ کو ایسے علیحدہ کرلوں گا جیسے خمیر سے بال ۔فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ ان لوگوں کے انساب سے تم سے زیادہ واقف ہیں ۔چنانچہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انساب سے واقفیت حاصل کیا کرتے تھے۔

مشکوۃ میں بخاری شریف سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہﷺ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے رہ کر وہ آنحضرتﷺ کے مفاخر وفضائل بیان کرتے ۔اور کفار جو حضرت کی ہجو کرتے اس کا جواب دیا کرتے تھے اور حضرتﷺ فرماتے تھے کہ جب تک حسان رضی اللہ عنہ کفار کے جواب دینے میں رسول اللہﷺ کا فخر بیان کرتے ہیں حق تعالی روح القدس سے ان کو تائید اور مدد دیتا ہے۔انتہیٰ

دیکھئے آنحضرتﷺ کے فضائل بیان کرنے اور ہجو کے جواب دینے کا بارگاہ نبوی میں کس قدر اہتمام تھا۔کہ جس طرح احکام شرعیہ بیان کرنے کے لئے منبر رکھا جاتا ہے اس کام کے لئے بھی

رکھا جاتا تھا اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو اس کام کے لئے موزوں تھے۔اس پر کھڑے ہوتے اور علی رؤس الاشہاد بطور خطبہ اشعار نعتیہ پڑھتے اور جو لوگ حضرت کی ہجو کرتے ان کا جواب دے کر انکی ہجو کرتے اور جب تک وہ اس کام میں مصروف رہتے حق تعالی کی طرف سے روح القدس ان کی مدد کرتے رہتے ۔ ہر چند آنحضرت ﷺ کی طبعیت میں کمال درجہ کی تواضع اور حلم اور عفو تھا نشست و برخاست میں کسی قسم کی تعلّی ظہور میں نہ آتی ۔جیسا کہ کتب سیر میں مصرح ہے مگر جب کوئی ہجو کرتا تو آپ منجانب اللہ مامور ہوتے کہ اس کا جواب آپ نہ دیں بلکہ کسی مسلمان سے دلوادیں۔اب اہل اسلام غور کریں کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی کسر شان کرتے ہیں ان کا جواب دینا اور آنحضرت ﷺ کے فضائل ان کے مقابلہ میں بیان کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا نہیں ۔اور یہ امر مسنون سمجھا جائے گا یا نہیں ۔پھر جو کہا جاتا ہے کہ واعظ لوگ بجائے وعظ و نصیحت اس قسم کے مضامین وعظ میں بیان کرتے ہیں اس کے اصلاح کی ضرورت ہے یہ کہاں تک صحیح ہے ۔ان احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک واعظین اور مصنفین اس کام میں مصروف رہیں منجاب اللہ بذریعہ روح القدس ان کی تائید ہوتی رہے گی۔

آیہء موصوفہ میں ''تعزروہ وتوقروہ'' کے ساتھ ''وتسبحوہ'' بھی ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ تسبیح وتنزیہ خاص خدائے تعالی سے متعلق ہے۔اسی وجہ سے مفسرین لکھتے ہیں کہ توقروہ پر وقف کرنا ضروری ہے۔تاکہ تسبحوہ سے دوسرا مضمون شروع ہو جائے کہ خدائے تعالی کی تنزیہ بیان کرو۔اگر وقف نہ کیا جائے تو یہ اشتباہ ہوگا کہ جس طرح حضرت کی تعظیم وتوقیر کا حکم ہے تنزیہ کا بھی حکم ہے۔حالانکہ تنزیہ خاص خدائے تعالی کے لئے سزاوار ہے۔مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ خدائے تعالی نے توقروہ کے ساتھ تسبحوہ فرمایا۔اور اس میں وقف کرنے کا نہ صراحتا حکم ہے نہ اشارتا تو نزول آیت کے وقت یہی سمجھا گیا ہوگا کہ جس کی تعظیم وتوقیر کا حکم ہے اسی کی تسبیح کا بھی حکم ہے ورنہ انتشار ضمائر لازم آئے گا۔جو کلام بلیغ کے شایاں نہیں ۔اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ تعزروہ کی ضمیر بھی اللہ تعالی ہی کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ

ہوگا۔خدائے تعالی کی تعظیم وتوقیراور تسبیح کروتو بظاہر معنی تو درست ہو جاتے ہیں مگر لسان عرب کا جو قاعدہ ٹھہرا ہوا ہے کہ ضمیر قریب کی طرف راجع ہوتی ہے یہ اس کے مخالف ہوگا۔کیونکہ آیہ شریفہ میں لتؤ منوا باللہ اس کے سیاق آیت شریفہ حضرت ﷺ کے فضائل کے لئے ہے کہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔اگر اس کے بعد یہ کہا جائے تا کہ تم لوگ اللہ تعالی کی تعظیم وتوقیر کرو تو کس قدر سیاق کے خلاف ہوگا۔یہ سب تکلف اس وجہ سے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تسبیح کے معنی حضرت ﷺ کی نسبت صادق نہیں آتے اور اگر تسبیح کے معنی بحسب مناسبت مقام لئے جائیں تو پھر کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا۔کیونکہ حق تعالی کی تنزیہ الوہیت سے متعلق ہے یعنی اس میں کوئی ایسا امر نہیں جو شان الوہیت کے منفی ہو اور رسول اللہ ﷺ کی تنزیہ رسالت سے متعلق ہوگی۔یعنی حضرت میں کوئی بات ایسی نہیں جو شان رسالت کے منافی ہو۔چنانچہ اس قسم کی تنزیہ نبی کریم ﷺ کی خود حق تعالی نے فرمائی ہے کما قل تعالی وما ہو علی الغیب بضنین ج۔ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک صعز یز علیہ ما عنتم ط ما کان محمد ابا احد من رجالکم وغیر ذلک یعنی حضرت ﷺ غیب کے بتانے میں بخل نہیں کرتے سخت گو اور سخت دل نہیں ہیں ۔وہ تمہارے رنج میں پڑنے کو گوارا نہیں کرتے ۔وہ کسی صحابی کے باپ نہیں بلکہ رسول ہیں پھر جس لحاظ سے کہ حضرت ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا تو اسی لحاظ سے حضرت ﷺ کی تسبیح حق تعالی کی تسبیح ہو جائے تو کیا تعجب ہے! بہر حال تسجدہ کی بھی ضمیر رسولہ کی طرف پھر سکتی ہے۔اب غور کیجئے کہ جب آنحضرت ﷺ کی اس قدر فضیلت قرآن شریف سے ثابت ہے۔تو لفظ رسول کے معنی سے توہین مراد لینا کس قدر جرأت کی بات ہے۔اور اس جرئات کا کیا انجام ہوگا۔

رسالت کی شان سلطنت کی ہے

رسالت کی شان بفضلہ تعالی نصوص واحادیث سے ثابت ہوگئی۔مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہمارے عالم کی اصطلاح کے موافق اس کو کیا سمجھنا چاہئے۔احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے

عالم میں پادشاہ ہوتا ہے عالم روحانی میں رسالت ہے ۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے ۔ بلکہ حدیث شریف سے ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں سے ۔ میرے آسمانی وزیر جبرئیل ومیکائیل ہیں ۔ اور زمین کے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ۔ انتہیٰ

یہ روایت ترمذی شریف میں ہے ۔ جب ملائکہ میں سے دو فرشتے جبرئیل ومیکائیل جیسے جلیل القدر آنحضرت ﷺ کے وزیر آسمانوں میں اور دو وزیر اہل زمین میں ہیں تو اب حضرت کے بادشاہ عالم سفلی وعلوی ہونے میں کیا تامل ۔

سجدۂ شتر

خصائص کبریٰ میں ہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول ﷺ ہمارا ایک اونٹ ہے وہ سرکش ہوگیا ۔ کوئی اس کے نزدیک جانہیں سکتا ۔ حضرت ﷺ اٹھے اور ہم بھی حضرت کے ہمراہ ہوئے ۔ جب وہاں پہونچے اور دروازہ کھولا گیا تو وہ اونٹ آیا ۔ اور حضرت کے روبرو سجدہ میں گر کر گردن زمین پر رکھدی پھر حضرت ﷺ نے اس کی مہار منگوا کر اس کی ناک میں ڈال دی اور ان لوگوں کے حوالہ کر دیا ۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے پہچان لیا کہ آپ نبی اللہ ہیں ۔ فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ سوائے کفار جن وانس کے ۔ انتہیٰ

ہر چیز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ہیں

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم کی ہر ایک چیز سمجھتی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور واجب التعظیم ہیں اور کنز العمال میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لیس شئی من السماء والارض الا یعلم انی رسول اللہ رواہ احمد والدارمی ۔ وایضا عن ابی ہریرۃ'' محدثین کا اتفاق ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل اور

دارمی میں کوئی روایت موضوع نہیں۔اب دیکھئے ایسی معتبر روایت سے ثابت ہے کہ ہر چیز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ (ﷺ) ہیں اگر اس کا مطلب یہی سمجھا جائے کہ تھوڑے سے لوگوں کو پیام الٰہی پہنچانے کے لئے آپ آئے تھے۔تو ہر چیز کو اس کا علم ہونے کی کیا ضرورت ۔صرف صحابہ کو معلوم ہونا ضروری تھا سوانہوں نے معجزات وغیرہ قرائن سے معلوم کرلیا کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں ۔جب ہمیں یہ بات خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوگئی کہ عالم کی ایک ایک چیز آپ کو جانتی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ رسالت پیام کو پہنچانے کو کہتے ہیں۔اور حضرت ﷺ نے سوائے جن وانس کے بظاہر اور کسی کو پیام نہیں پہنچایا اور نہ ان میں اس کی صلاحیت ہے اس لئے کہ وہ اوامر ونواہی شرعیہ کے کسی طرح مامور نہیں تو یہ کہنا ضرور ہوگا کہ لفظ رسول اللہ کا مطلب یہ نہ ہوگا جو ہم سمجھتے ہیں بلکہ ان کی اصطلاح میں اس کا مطلب کچھ اور ہی ہوگا۔کیونکہ باوجود احکام شرعیہ کے مامور نہ ہونے کے اطاعت میں سرمو سستی اور تساہل نہیں کرتے تھے۔

امتثال درختاں

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو خصائص کبریٰ میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔حضرت کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی مجھ سے فرمایا کیا کوئی درخت نظر آرہا ہے۔میں نے دیکھا تو دور ایک درخت نظر آیا۔حضرت ﷺ کو اس کی خبر دی اور فرمایا کیا کوئی دوسرا درخت بھی کہیں ہے۔میں نے دیکھا کہ اس درخت سے بہت فاصلہ پر ایک دوسرا درخت بھی ہے اس کی بھی خبر دی ۔فرمایا کہ ان دونوں درختوں سے جا کر کہو کہ رسول اللہ (ﷺ) تم کو حکم کرتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔میں نے جب ان سے کہا تو وہ فوراً مل گئے۔حضرت وہاں تشریف لے گئے۔اور جب حاجت سے فارغ ہوکر واپس ہوئے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ چلے گئے ۔اور خصائص کبریٰ میں دوسری روایت بھی اسی مضمون کی ہے کہ اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ

جب ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حج کو گئے ۔ واپسی کے وقت ایک میدان میں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کھجور کے درخت اور پتھر بھی کہیں نظر آتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ چند درخت قریب قریب اور پتھروں کا ڈھیر ایک جگہ نظر آرہا ہے ۔فرمایا جاؤ۔ اوران درختوں سے کہو کہ رسول اللہ تمہیں حکم کرتے ہیں کہ نزدیک ہوجاؤ تاکہ حاجت بشری سے فارغ ہوں ۔اور پتھروں سے بھی یہی کہو وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جوں ہی میں نے درختوں کو حکم پہونچایا وہ زمین کو پھاڑتے ہوئے متصل ہوگئے ۔اور پتھر کودتے ہوئے ایک پر ایک چڑھ کر ایک دیوار سی بنالی ۔ جب حضرت حاجت سے فارغ ہوکر واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ ان درختوں اور پتھروں سے کہہ دو کہ اپنے اپنے مقامات میں چلے جائیں ۔ چنانچہ کہتے ہی وہ چلے گئے ۔انتہیٰ

فرشتوں کو حضرت سے ملاقات کی آرزو

اس کے سوامادۂ عالم پر حکومت ہونا اکثر واقعات سے ثابت ہے مثلاً لکڑی کا تلوار ہوجانا۔اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا وغیرہ امور جن کو ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں بیان کیا ہے ۔(۱)اور معجزۂ شق القمر سے ثابت ہے کہ آسمان پر بھی آپ کے تصرفات جاری تھے ۔غرض کہ ملک اور ملکوت کی سلطنت آپ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی ۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ یکایک ابر نمودار ہوا۔ حضرت نے فرمایا ایک فرشتے نے مجھ پر سلام کیا اور کہا کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہونے کی اجازت ہمیشہ خدا تعالیٰ سے چاہتا تھا۔ اس وقت مجھے اجازت ملی ۔ میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مکرم اور بزرگ نہیں ۔انتہی

باوجودیکہ فرشتوں کی جبلت میں داخل ہے کہ جس کام کیلئے مامور ہیں ہمیشہ اس کام میں لگے رہتے ہیں ۔مگر حضرت کی ملاقات کا ان کو کچھ ایسا شوق تھا کہ خدائے تعالیٰ سے ہمیشہ درخواست کرتے

تھے۔آخروہ ان کا شوق پوراہوتا اب کہئے کہ کس چیز نے انہیں مجبور کیا تھا کہ اپنا فرض منصبی چھوڑ کر ملاقات کے لئے آسمانوں سے زمین پر اتریں۔کیا کسی ایسے آدمی کے لئے اتر آئیں گے جس کا مرتبہ معاذاللہ کافروں سے بھی کم ہو؟ کیونکہ کفار مرسل الیہم ہیں۔اور آخری زمانہ کے بعض مسلمانوں کے خیال میں رسول مرسل الیہ سے کم درجہ ہوتا ہے۔

کتب سیر واحادیث اگر دیکھے جائیں تو ایسی چیزیں پیش نظر ہوجائیں گی جن سے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عالم ملک وملکوت کی سلطنت حاصل تھی۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الخصائص الکبریٰ جو لکھی ہے اس سے یہی غرض ہے کہ اس قسم کے احادیث کا ذخیرہ بلا زحمت تلاش مسلمانوں کو ایک جگہ مل جائے۔اور مولوی عبدالجبار خاں صاحب آصفی نے عام فائدہ کی غرض سے اس کا ترجمہ اردو میں کردیا جس سے عموماً مسلمانوں کو انکا ممنون ہونا چاہئے۔میری دانست میں اس زمانہ کے مسلمانوں کو ضروری ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کیا کریں تاکہ وہابیوں کا افسوں ان پر چلنے نہ پائے۔اور اپنے نبی کریم ﷺ کی عظمت ذہن نشین ہو،تاکہ تعظیم وتوقیر جس کا حکم حق تعالیٰ نے فرمایا ہے بہ آسانی بلا تکلف ہوا کرے۔

ہرنی کا کلمہ پڑھنا

خصائص کبریٰ میں زید بن ارقم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مدینہ کو جارہا تھا۔حضرت کا گزر ایک اعرابی کے خیمہ پر ہوا۔دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے۔اس نے کہا یارسول اللہ مجھے یہ اعرابی نے شکار کرکے لایا ہے۔میرے دو بچے جنگل میں ہیں اور میرے تھنوں میں دودھ جم گیا ہے نہ وہ مجھے ذبح کرتا ہے کہ اس درد سے راحت پالوں اور نہ چھوڑتا ہے کہ اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔حضرت نے اس سے فرمایا اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو لوٹ کر آئے گی؟ کہا ضرور آؤں گی اور اگر نہ آؤں تو خدائے تعالیٰ مجھ پر وہ عذاب کرے جو کروڑ گیری کے محصول وصول کرنے

والوں پر کرتا ہے۔حضرت نے اسے چھوڑ دیا۔تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ وہ آ گئی ۔اور اعرابی بھی آیا۔حضرت نے اس سے فرمایا کیا تم اس ہرنی کو بیچو گے؟ عرض کیا وہ یوں ہی حاضر ہے حضرت نے اسے چھوڑ دیا۔زید بن ارقم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اسے دیکھا کہ جنگل میں یہ کہتی ہوئی جارہی تھی کہ ’’لااله الا الله محمد رسول الله ‘‘۔انتہیٰ

اس نے جو رسول اللہ کہا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ حضرت ہرنیوں کو پیام الٰہی پہونچانے کو آئے ہیں۔ بلکہ زبان حال سے وہ کہہ رہی تھی کہ رسول اللہ کے معنی ہی کچھ اور ہیں یعنی اللہ نے آپ کو ایسا رتبہ دیا ہے کہ عالم میں جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔

ہوا کا امتثال امر

خصائص کبریٰ میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جنگ احزاب میں ایک رات نہایت سردی تھی۔اور سرد ہوا بھی نہایت زور سے چل رہی تھی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ایسا ہے کہ لشکر کفار کی خبر لائے اور قیامت میں میرے ساتھ رہے؟ کسی نے جواب نہ دیا، پھر دوسرے بار ایسا ہی فرمایا کسی نے جواب نہ دیا۔پھر تیسرے بار ایسا ہی فرمایا جب بھی کسی نے جواب نہ دیا۔پھر فرمایا اے حذیفہ؟ میں نے جواب دیا۔فرمایا کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟ میں نے کہا: جی سنی۔فرمایا پھر جواب کیوں نہیں دیا؟ عرض کیا یارسول اللہ سردی کی وجہ سے۔فرمایا تمہیں سردی نہ ہوگی جاؤ اور ان لوگوں کی خبر لاؤ۔جب میں وہاں سے چلا تو ہوا میں اس قدر گرمی مجھے محسوس ہورہی تھی جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں۔ہوا کی یہ حالت اس وقت تک رہی کہ میں وہاں سے جا کر واپس آیا اس کے بعد پھر وہی سردی ہوا میں محسوس ہونے لگی۔انتہیٰ۔کفار کا لشکر اسلام سے میل دو میل کے فاصلہ پر ضرور ہوگا۔اور اس آمد و رفت میں دو چار گھنٹے ضرور صرف ہوئے ہوں گے اتنی مسافت اور وقت میں ہوا جو ان کے جسم سے متصل ہوتی جاتی تھی وہ موسمی سردی کو چھوڑ کر بغیر کسی سبب خارجی کے خود بخود گرم

ہوتی جاتی تھی، اس کی وجہ کیا تھی، وہی ارشاد مبارک تھا کہ تمہیں سردی نہ ہوگی۔ بظاہر یہ ان کو ارشاد تھا مگر در باطن جہاں جہاں ان کا گزر ہونے والا تھا وہاں کی ہوا پر حکم نافذ ہوگیا تھا کہ ان کے آتے ہی فوراً اپنی کیفیت اور حالت موجودہ کو ترک کر کے ایسی کیفیت اختیار کر لے جو خلاف مقتضائے وقت وموسم ہو، اور اس فرمان واجب الاذعان کے امتثال میں ہوا نے سر مو سرتابی نہ کی۔ کیا یہ حکومت کسی بادشاہ کو حاصل ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی حکومت صرف سلطنت ملکوتی کا لازمہ ہے۔ افسوس ہے کہ ان امور سے جو اہل اسلام واقف نہیں وہ آخری زمانہ کے فتنہ پردازوں کے دام میں آجاتے ہیں۔

آتش کا انقیاد

زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعوی کیا تو ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں رسول اللہ ہوں؟ کہا میں سنتا نہیں۔ پھر کہا گیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد رسول اللہ ہیں؟ کہا ہاں یہ سن کر حکم دیا کہ بہت سی آگ سلگائی جائے پھر دہکتی آگ میں انہیں ڈال دیا۔ مگر ان کو آگ سے کچھ ضرر نہ پہونچا۔ انتہی

دیکھئے ایسے مقام میں کہ جہاں جان کا خوف بلکہ قطعی مایوسی تھی آنحضرت ﷺ کی رسالت پر گواہی دینی ایک مشکل کام تھا۔ مگر انہوں نے جان کی کچھ پرواہ نہ کی اور صدق دل سے گواہی دی اس کا یہ اثر ہوا کہ آگ نے مادر مہرباں کی طرح اپنے گود میں انہیں بٹھلایا اور اپنی فطرتی اثر کو ان کے نزدیک آنے نہ دیا۔ اس سے ظاہر ہے کے رسالت کیسا عظیم الشان رتبہ ہے کہ اس کو ماننے والوں کے سب مسخر ہوجاتے ہیں۔ مگر ہر کس وناکس اس کو کیا جانے۔ منافق باوجودیکہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے تھے اور حضرت کی رسالت کی بھی گواہی دیتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے ''اذا جاءک المنفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ'' مگر رسالت کی ان کو کچھ قدر نہ تھی۔ اس وجہ سے وہ دوزخی ٹھہرے اور ان کے لئے وہاں وہ مقام قرار پایا جو سب سے بدتر ہے۔ یعنی الدرک الاسفل

من النار اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت کی صحبت میں رہتے تھے۔ اور حضرت کے فضائل سے بخوبی واقف تھے۔ جن کا مذاکرہ صحابہ میں ہوا کرتا تھا۔ باوجود اس کے انہوں نے رسالت کی کچھ قدر نہ کی، وہابیوں کو خوف کرنا چاہئے کہ باوجود یہ کہ قرآن واحادیث میں حضرت کے فضائل دیکھتے ہیں اور مسلمانوں سے سنتے ہیں مگر ان کو نظر انداز کر کے ایسے آیات واحادیث کو تلاش کرتے ہیں جن میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی بظاہر کسر شان ہوتی ہے۔ کیا یہ نماز، روزہ اور ایسی شہادت رسالت کام آئے گی؟ جب ہمیں ایک بڑی قوم کی نظیر مل گئی کہ یہ چیزیں کچھ کام نہیں آتیں تو ہم ان حضرات کو خیر خواہانہ ضرور رائے دیں گے کہ یہ طرز عمل چھوڑ دیں اور صحابہ کا طرز عمل اختیار کریں جس کا حال انشاء اللہ تعالی اسی کتاب میں معلوم ہوگا۔

آتش کا رومال پر اثر نہ کرنا

زرقانی اور خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ عباد بن عبد الصمد کہتے ہیں کہ ایک روز ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے یہاں گئے۔ انہوں نے اپنی لونڈی کو پکار کر کہا کہ دستر خوان لے آنا کہ ہم سب کھانا کھائیں ۔ وہ لے آئی پھر کہا وہ رمال بھی لے آ۔ وہ ایک میلا رومال لے آئی ۔فرمایا تنور سلگا۔ جب آگ اس میں دہکنے لگی تو اس رومال کو اس میں ڈلوا دیا۔ جب نکالا گیا تو وہ مثل دودھ کے نہایت سفید تھا۔ ہم نے پوچھا کہ اس رومال کا واقعہ کیا ہے فرمایا اس رومال سے آنحضرت ﷺ منہ پونچھتے تھے۔ دیکھئے آنحضرت ﷺ کی عالم میں کیسی عظمت تھی کہ آگ جیسی چیز کہ فولاد کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اور ہر چیز میں اپنا پورا اثر کرتی ہے مگر اس متبرک رومال کے مقابلہ میں پانی بن گئی۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے بھی کمال کیا جو کام پانی سے لینے کا تھا وہ آگ سے لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ پانی سے دھونے میں کس قدر مشقت اور صرفہ ہے اور آگ کی مجال نہیں کہ اس متبرک رومال کو جلا سکے اس لئے انہوں نے بلا تامل آگ میں ڈال دیا۔ اگر ان کو آگ کے جلانے کا ذرا بھی خیال ہوتا تو ہرگز اس کام پر

جرأت نہ کرتے ۔ کیونکہ وہ تبرک ایسا نہ تھا کہ اس کا مثل مل سکتا۔اور اس وقت انہوں نے الحزم سوء الظن کے قاعدہ کو ہی ذہن سے نکالدیا اور خیال کیا کہ اس بدگمانی کی ضرورت نہیں ۔ کہ شاید آگ جلادے ۔کیونکہ آگ کے نہ جلانے کا ان کو ایسا یقین تھا جیسے ٹھنڈے پانی کے نہ جلانے کا ہوتا ہے۔حالانکہ عقل کی رو سے ان کا یہ خیال بالکل غلط تھا اور کہیں قرآن وحدیث میں اس رومال کا ذکر نہیں کہ جس پر ایمان لانے کی ضرورت ہو۔مگر بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی عظمت شان کی پیش نظر تھی ۔اور متعدد تجربوں سے ان پر ثابت ہوگیا تھا کہ عالم کی ہر چیز آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرتی ہے اس لئے آگ اس رومال کی تعظیم ضرور کرے گی۔صحابہ کا جو بول بالا عالم میں ہوا وہ ان کے ایسے ہی خیالات کا اثر تھا۔

نام مبارک سے دوزخ کا بجھ جانا

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک قوم حاملین قرآن یعنے حفاظ دوزخ میں داخل کی جائے گی۔ان کو محمد ﷺ کا نام بھلادیا جائے گا۔جبرئیل علیہ السلام جاکر ان کو حضرت کا نام مبارک یاددلائیں گے۔جب وہ نام مبارک کوذکر کریں گے تو دوزخ کی آگ بجھ جائے گی۔اور سمٹ کر ان سے علیحدہ ہوجائے گی۔انتہیٰ

مطلب یہ کہ جس قدر حصہ آگ کا ان کو جلاتا تھا وہ کچھ تو بجھ جائے گا اور کچھ سمٹ کر دور ہوجائیگا۔اب خیال کیجئے کہ آنحضرت ﷺ کی کس قدر عظمت وشوکت ہے کہ صرف آپ کے نام مبارک کے ذکر کرنے سے دوزخ کی آگ ہٹ جائے گی بلکہ سرد ہوجائے گی۔حالانکہ وہ آگ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک چنگاری اس کی زمین پر ڈالی جائے تو پتھروں کو جلاتے ہوئے پانی کو چیر پھاڑ کر دوزخ تک پہونچ جائے گی۔

زمین کا فضلہ نگلنا

مواہب لدنیہ میں متعدد طرق سے یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تو فضلہ کو زمین نگل جاتی۔اور اس مقام میں

خوشبو مہکتی رہتی تھی۔انتہی ملخصا

زمین کو اس متبرک فضلہ کی قدر تھی۔اس لئے حلوائے بے دود کی طرح اس کو نگل جاتی تھی۔کیا دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے کہ زمین اس کو اس رغبت سے نگل جائے۔درحقیقت آنحضرت ﷺ کی قدر و منزلت اور لوگوں کی خیر خواہی کا خیال تھا کہ وہ فضلہ کوئی دیکھنے نہ پائے کیونکہ فضلہ نجس اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔مبادا کہ کسی کو بمقتضائے طبیعت مکروہ معلوم ہو اور وہ بے ادبی کے حد میں داخل ہوجائے بہر حال کسی غرض سے ہو فضلات کو زمین کا نگل جانا اس بات پر دلیل ہے کہ تمام عالم میں آنحضرت ﷺ کی جو عظمت تھی اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔کیونکہ جو خصوصیات آنحضرت ﷺ کے ہیں ممکن نہیں کہ دوسرے میں پائے جاسکیں۔دیکھئے اس عالم میں جو چیز پہلے پیدا کی گئی وہ آنحضرت ﷺ کا نور مبارک تھا جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے۔جو مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔

سب سے پہلے حضرت کا نور پیدا ہونا

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے یہ معلوم کرائیے کہ تمام اشیاء سے پہلے خدائے تعالی نے کس چیز کو پیدا کیا۔فرمایا اے جابر۔خدائے تعالی نے کل اشیاء سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا وہ نور قدرت سے جہاں چاہتا تھا پھرتا تھا۔اس وقت نہ لوح تھی۔نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ۔نہ فرشتے نہ آسماں نہ زمیں نہ آفتاب نہ ماہتاب نہ جن وانس۔جب خدائے تعالی نے خلقت کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے کئے۔پہلے حصہ سے قلم بنایا۔دوسرے سے لوح۔تیسرے سے عرش۔چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کئے۔پہلے حصہ سے حاملین عرش کو پیدا کیا۔دوسرے سے کرسی کو۔تیسرے سے باقی فرشتوں کو۔پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کئے۔پہلے حصہ سے آسمان بنائے۔دوسرے سے زمین۔تیسرے سے جنت و دوزخ۔پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کئے۔پہلے حصہ سے اہل ایمان کی بصیرتوں کا نور بنایا۔دوسرے سے ان کے دلوں کا نور اور وہ اللہ کی معرفت

ہے۔اور تیسرے سے ان کی انس کا نور۔اور وہ توحید ہے یعنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔انتہیٰ

تفسیر: الله نور السمٰوٰت والارض

یہ شرافت نہ کسی فرشتہ کو حاصل ہے نہ نبی کو۔اگر آدم علیہ السلام کو ابو البشر ہونے کی فضیلت ہے تو ہمارے نبی کریم ﷺ کو ابو العالم ہونے کی فضیلت ہے۔اب یہاں ایک امر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالی کا نور اس نور کے جنس سے نہیں ہے۔جس کو ہم دیکھتے ہیں کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے ’’اللہ نور السموات والارض‘‘ یعنے اللہ آسمانوں اور زمین کا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین اور آسمان کو عارضی نور کی ضرورت نہیں۔خود اللہ ان کا نور ہے۔حالانکہ کواکب کا نور نہ ہو تو نہ آسمان محسوس ہوتے ہیں نہ زمین۔اس سے ظاہر ہے کہ اس نور کی حقیقت ہی کچھ اور ہے۔غرض کہ وہ نور بلا کیف ہے پھر اس نور سے آنحضرت ﷺ کا نور پیدا ہونا بھی ایک حیرت انگیز بات ہے۔اگر چراغ کی مثال سمجھیں تو دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ سلگایا جاتا ہے وہاں بتی کی ضرورت ہوتی ہے۔جو چراغ سے جلائے جاتی ہے جس کیلئے آگ کا وجود شرط ہے۔اگر آگ نہ ہو تو کسی نور سے بتی روشن نہ ہوگی جس سے ثابت ہے کہ نور سے نور نہ ہوا۔بلکہ بتی کے ذریعہ سے ہوا اب کیا کوئی مسلمان خیال کرسکتا ہے کہ وہاں آگ اور جلانا صادق آسکتا ہے ہرگز نہیں جس مقام میں ’’لیس کمثلہ شئ‘‘ کے یقین کرنے کی ضرورت ہے وہاں ایسے خیالات کو کیا نسبت کہ آگ سے آگ پیدا ہوئی۔

حضرت کا نور مجہول الکنہ ہے

غرض کہ حضرت کا نور اللہ کے نور سے ہونا ایک ایسا امر ہے کہ عقل اس میں حیران ہے۔اس صورت میں یہ کہنا ضرور ہوگا کہ جس طرح اللہ تعالی کا نور مجہول الکنہ ہے حضرت کا نور بھی مجہول الکنہ ہے۔

اب اہل انصاف غور فرمادیں کہ عالم میں کیا کوئی شخص ایسا نکل سکتا ہے کہ حضرت کی ہمسری کا دعویٰ کرسکے۔چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔جب حق تعالی نے حضرت کو یہ شرافت دی کہ اپنے نور سے

صرف حضرت کا نور پیدا کیا اور تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا ہوئی تو محال ہے کہ یہ شرافت کسی اور میں پائی جا سکے اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ کا مثل ونظیر پیدا ہونا محال ہے اس لئے کہ اگر اس کو پیدا کرے تو وہ مخلوق ہوگا جو خدائے تعالیٰ کا مثل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا مثل ونظیر اگر پیدا ہو تو وہ صادر اول نہ ہوگا۔ جو حضرت کا مثل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ’’ممتنع بالذات اور ممتنع بالغیر‘‘ کے جھگڑے میں پڑیں۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ کسی فرضی نظیر میں صلاحیت وجود ہی نہیں تو ایسی چیز سے قدرت بھی متعلق نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قدرت کا تعلق صرف ممکن سے ہوا کرتا ہے نہ واجب سے متعلق ہوتی ہے نہ ممتنع سے بہر حال ہم لوگوں کو بڑے فخر کا موقع ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو وہ شرافت اور عزت حاصل ہے کہ نہ کسی فرشتہ کو نصیب ہے نہ نبی کو۔ ہم پر اس نعمت کا شکر اور اس کی قدر کرنا واجب ہے۔

دیکھئے جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا۔ اس کا جواب بظاہر یہی تھا کہ میرے نور کو پیدا فرمایا۔ مگر حضرت نے ایسا جواب نہ دیا۔ بلکہ فرمایا تمہارے نبی کے نور کو۔ اس سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس جواب سے حضرت کا کیا مقصود تھا۔

آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد اور اس کی وجہ

مواہب لدنیہ میں در نظیم سے نقل کیا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو بحسب الہام انہوں نے کہا کہ الٰہی تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: اے آدم سر اٹھا کر دیکھو۔ جب دیکھا تو سرادق عرش میں محمد ﷺ کا نور ہے، عرض کیا یا رب یہ کس کا نور ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ نور ایک نبی کا ہے جو تمہاری اولاد میں ہوں گے۔ ان کا نام آسمان میں احمد (ﷺ) ہے اور زمین میں محمد (ﷺ)۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں تم کو پیدا کرتا نہ کسی آسمان کو نہ زمین کو۔ انتہی

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی نہ آسمان نہ جنت نہ دوزخ وغیرہ

اور شارح زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابو الشیخ اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کی ہے کہ خدائے تعالی نے عیسی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم کرو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائے کیونکہ اگر محمد ؐ نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت کو نہ دوزخ کو ۔میں نے جب عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا اس پر میں نے ’’ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ‘‘ لکھا۔جس سے وہ ساکن ہو گیا۔انتہیٰ

اور اس میں دیلمی سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ’’لولاك ماخلقت الجنة ولو لاك ماخلقت النار ‘‘ یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو نہ پیدا کرتا اگر آپ نہ ہوتے تو دوزخ کو نہ پیدا کرتا۔انتہیٰ

دنیا حضرت کی کرامت ومنزلت معلوم کرانے کے لئے پیدا کی گئی

اور مواہب میں لکھا ہے کہ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حق تعالی نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اس واسطے پیدا کیا کہ آپ کی کرامت اور منزلت جو میرے نزدیک ہے ان کو معلوم کراؤں ۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔انتہیٰ

ہمارے بعض مہربان جب حدیث لولاك لما خلقت الافلاك سنتے ہیں تو بطور طعن وتعصب کہتے ہیں کہ یہ تو محدثین کے نزدیک بے اصل ہے وہ اسی کو بڑی بات سمجھ رہے ہیں کہ حضرت کی وجہ سے افلاک پیدا ہوئے ۔حالانکہ وہاں تو یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت ہوتی نہ دوزخ ۔نہ آدم نہ دنیا۔یہ سب آپ کے طفیلی ہیں ۔مقصود بالذات اس آفرینش سے حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں اور آپ کی کرامت ومنزلت کا اظہار ہے۔اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے کہ قبل تخلیق ملائک وغیرہ حضرت کا نام عرش وغیرہ مقامات میں لکھا گیا۔غالبا یہاں اس پر زور دیا جائے گا کہ قرآن شریف میں ’’ وما خلقت الجن والانس الالیعبدون‘‘ یعنی جن وانس کو حق تعالی نے صرف عبادت کے لئے

پیدا کیا ہے۔اس لئے یہ کل حدیثیں موضوع ہیں۔مگرایسی بات ذراسمجھ کر کہنا چاہئے۔

ایک شبہ اوراس کا جواب

دیکھئے یہ بات اگر ہم مان لیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ اکابر محدثین جنہوں نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے انہوں نے آیہ شریفہ وما خلقت الجن کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔یا پڑھا تو اس کا مطلب سمجھا ہی نہیں۔اگر وہ ایسے ان پڑھ تھے تو ہر فریق کے علماء ان کی دوسری روایتوں کو اپنے استدلالوں میں کیوں پیش کرتے ہیں حالانکہ جاہل کی کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہوسکتی۔کیا کوئی سمجھ دار آدمی کہہ سکتا ہے کہ جس کو قرآن سمجھنے کا وقوف نہ ہو وہ محدث مانا جائے اور اس کی کوئی بات دین میں مقبول ہو۔غرض کہ یہ ماننا پڑے گا کہ ان حضرات نے سمجھ لیا تھا کہ آیۃً شریفہ اوران احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ادنی تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خدائے تعالی نے جس چیز کو پیدا کیا اس سے متعلق کئی اغراض ومصالح رکھے گئے۔دیکھئے موجودات عالم میں جولوگ غور وفکر کرتے ہیں ایک ایک چیز سے کتنے منافع وفوائد حاصل کرتے ہیں۔جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے عجائب قدرت الٰہی منکشف ہوتے جاتے ہیں۔اور معلوم ہوتا جاتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے سے متعدد مصالح اور اغراض متعلق ہیں۔جن سے اب تک تمام دنیا کے لوگ غافل تھے۔اب اگر دنیا کے پیدا کرنے میں دو مقصود پیش نظر ہوں یعنی معرفت وعبادت الٰہی ومعرفت رسالت پناہی تو اس سے کونسی قباحت لازم آجائے گی۔

ابتدائے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مواہب لدنیہ میں متعدد کتب حدیث سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میسرۃ الضبی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ نبی کب تھے! فرمایا کہ اُس وقت آدم روح وجسد کے درمیان میں تھے، یہ روایت مختلف الفاظ میں وارد ہے۔سب کا مطلب یہی ہے کہ حضرت اُس وقت نبی تھے کہ آدم علیہ السلام کا وجود نہ تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت ورسالت فقط جن وانس کے ساتھ مختص

نہ تھی بلکہ ملائکہ اور ملکوت کے بھی آپ نبی تھے۔ اس لئے کہ احادیث میں مصرح ہے جو خصائص کبریٰ اور مواہب لدنیہ اور زرقانی وغیرہ میں موجود ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا نام مبارک ساق عرش اور آسمانوں پر اور ہر مقام میں لکھا ہوا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آسمانوں پر جب میں چکر لگایا تو دیکھا کہ وہاں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں محمد ﷺ کا نام نہ ہو۔

آدم علیہ السلام کی سیر افلاک

اس چکر لگانے کی کیفیت مواہب اور زرقانی میں لکھا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو محمد ﷺ کا نور اُن کے پیٹھ میں رکھا وہ نور اس قدر چمکدار تھا کہ اُن کے تمام انوار پر غالب آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ پیشانی میں چمکنے لگا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُن کو تخت شاہی پر بٹھایا جو اُن کیلئے مختص تھا جس کو فرشتوں نے اپنی بازوؤں پر اٹھایا اور اُن کو حکم فرمایا کہ تمام آسمانوں کی سیر انہیں کرادیں تا کہ عجائب ملکوت کو دیکھیں۔ کعب احبار سے پوچھا گیا کہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے کتنے بار آسمانوں کی سیر کرائی ؟ کہا تین بار۔ ایک بار سریر کرم پر، دوسرے بار اپنی بازوؤں پر، تیسرے بار فرش میمون پر، جو مشک اذفر سے پیدا کیا گیا ہے اور اُس کے بازو موتی اور مرجان کے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام اُس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور میکائل داہنے طرف اور اسرافیل بائیں طرف تمام آسمانوں میں ان کو لئے گئے وہ اپنے داہنے اور بائیں طرف فرشتوں پر جو جگہ جگہ کھڑے تھے اس طرح سلام کرتے ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘‘ اور وہ اُس کا جواب دیتے۔ پھر اُن سے کہا گیا کہ یہ تمہاری اولاد کی تحیّت قیامت تک ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو آدم علیہ السلام کا جو تجمل اور شان وشوکت تھی وہ بطفیل اُسی نور مبارک کے تھی۔ جو اُن کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہ اُس نور محمد ﷺ کی وجہ سے تھا جو اُن کی پیشانی میں تھا۔ انتھیٰ

اس کی تصدیق اُن تمام روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن سے ثابت ہے کہ حیوانات نباتات جمادات

آپ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔اور کسی روایت میں دیکھا نہیں گیا کہ آدم علیہ السلام کو بھی حیوانات وغیرہ سجدہ کیا کرتے تھے۔الغرض ہمارے نبی ﷺ مسجود خلائق تھے مگر آدمیوں کو سجدہ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

نام حضرت بر ہر مقام درختان جنت

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جنت کے درختوں کے ہر پتے پر ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ لکھا ہے۔

مواہب لدنیہ میں کعب احبار سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے فرزند تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔پس خلافت کو عمارت تقویٰ اور دستگاہ محکم کے ساتھ لو اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اُس کے متصل محمد ﷺ کا نام ذکر کیا کرو۔میں نے اُن کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے جب میں روح اور کیچڑ میں تھا پھر تمام آسمانوں پر پھر کر دیکھا تو کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں محمد ﷺ کا نام لکھا نہ ہو۔اور میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا تو وہاں کوئی محل اور کوئی بالا خانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر محمد ﷺ کا نام نہ لکھا ہو۔اور تمام حوروں کے سینوں پر اور جنت کے درختوں کے اور شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور پردوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں نام محمد ﷺ کا لکھا ہوا ہے۔اس لئے اکثر اُن کا ذکر کیا کرو۔فرشتے قدیم سے ہر وقت اُن کا ذکر کیا کرتے ہیں۔انتہیٰ

فرشتوں وغیرہ کا اُمتی ہونا

جہاں جہاں آنخضرت ﷺ کا نام مبارک لکھا ہے وہ خدائے تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ لکھا ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ لکھا ہے اور فرشتوں کا حضرت کو ذکر کرنا بھی اسی کلمہ شہادت کا ذکر کرنا ہوگا۔غرض کہ جس طرح ہم لوگ آنخضرت ﷺ پر ایمان لائے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مومن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اُسی طرح ملائکہ اور حوریں وغیرہ بھی اس کلمہ طیبہ کو پڑھ کے اپنے

ایمان کا ثبوت دیتے ہیں پھر اُن کے امتی اور آنحضرت ﷺ اُن کے نبی اور رسول ہونے میں کیا کلام۔ اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے محمد رسول اللہ کہتے وقت یہ خیال کرتے ہوں گے کہ حضرت جب زمین پر جائیں گے اُس وقت رسول اللہ ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ اس میں رسول اللہ کہنا باعتبار مایؤل ہوگا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت نبی تھا اب اگر یہ اخبار بھی مجازی طور پر سمجھا جائے تو اس کلام سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ایسی نبوت تو اُس وقت کل انبیاء کو خصوصا آدم علیہ السلام کو بقوہ قریبہ حاصل تھی۔ پھر حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ جبرئیل و میکائل علیہما السلام حضرت کے وزیر آسمانوں میں ہیں۔ جیسے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما زمین پر ہیں۔ اُس سے تو صاف ظاہر ہے آسمانی سلطنت بھی حضرت کی جداگانہ قائم تھی۔ غرض کہ اس آسمانی سلطنت و نبوت کو اس وجود عنصری کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہاں حضرت کا نور پیشتر سے موجود تھا اور ملائک بھی نورانی ہیں۔ اس لئے بحسب صلاحیت واستعداد افادہ واستفادہ میں کون امر مانع ہے۔

حضرت کا جسم مشابہ جسم عنصری فلک پر گشت کرایا گیا

مواہب لدنیہ میں ابن جوزی و ابن سبع وغیرہ محدثین کے کتب سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار سے مروی ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ محمد ﷺ کو پیدا کرے تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ زمین کے ایسے مقام سے مٹی لائیں جو اُس کا قلب اور نورانی ہو۔ جبرئیل فردوس اور ملأ اعلیٰ کے فرشتوں کو لے کر اترے اور اُس مقام کی مٹی لی جو مقام قبر شریف ہے وہ نہایت سفید اور روشن تھی پھر وہ آب تسنیم وانہار جنت سے خمیر کی گئی یہاں تک کہ مثل موتی کے چمکدار اور نہایت روشن ہوگئی اور اُس کو فرشتوں نے عرش و کرسی کے اطراف اور تمام آسمانوں اور زمین اور جبال و بحار میں گشت کرائی یہاں تک کہ کل فرشتے اور تمام خلق اللہ سیدنا محمد ﷺ کو پہچان لئے۔ قبل اس کے کہ آدم علیہ السلام کو پہچانیں۔ انتہیٰ

اس روایت سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جسم عنصری کے مشابہ حضرت کی

صورت بتائی گئی تا کہ تمام ملائک اور کل مخلوق حضرت کو پہچان لیں اگر حضرت کی نبوت وشہادت اس جسم عنصری کے ہی ساتھ مختص ہوتی تو تمام عالم کو ان کی معرفت کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر چہ یہ روایت آنحضرت ﷺ سے مروی نہیں۔ مگر کعب احبار کتب سابقہ کے عالم تھے جس کا کوئی انکار کر نہیں سکتا اس لحاظ سے یہ روایت زیادہ تر قابل تسلیم ہے کیونکہ دوسری آسمانی کتابوں سے حضرت کی فضیلت کی تصدیق ہورہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تمام عوالم میں گشت کرا کے معرفت دلانے سے ظاہر ہے تمام اشیاء کے ساتھ خاص قسم کا تعلق حضرت کا ثابت کرنا مقصود تھا۔ ہر چند ایک قسم کا تعلق پہلے سے تھا کہ سب حضرت کے نور سے پیدا ہوئے مگر وہ تکوین سے متعلق تھا۔ اُس کیلئے معرفت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ اُس میں کوئی جدید استفادہ نہیں جو معرفت سے مطلوب ہو۔ البتہ رسول کی معرفت کی ضرورت ہے۔ جس سے ہدایت متعلق ہوتی ہے۔ چونکہ قدیم سے آنحضرت ﷺ کی رسالت مسلم تھی۔ کہ ہر جگہ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا اسی لئے ضرورت ہوئی کہ ظاہری صورت کے ساتھ بھی آپ کو دیکھ لیں اور چہرۂ مبارک کو اپنے تصور میں رکھیں۔ اگر حضرت کی رسالت عام نہ تھی تو تمام عالم علوی میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ بات تو ابھی معلوم ہوئی کہ خود حضور نے فرمایا کہ سوائے جن وانس کے ہر چیز جانتی ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔

رسالت حضرت در عالم سفلی وعلوی

اس سے ثابت ہے کہ تمام عالم علوی اور سفلی میں آپ کی رسالت مسلم تھی اور ہر ایک کو اُس کے حسب حال حضرت ہدایت بھی فرماتے ہوں گے کیونکہ وہ لازمۂ رسالت ہے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت تو مثلاً مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ پھر تو تمام عالم علوی وسفلی کی ہدایت حضرت سے کیونکر متعلق ہو سکتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکما نے تسلیم کرلیا ہے کہ اشراقین مشرق میں رہ کر مغرب میں تعلیم کرتے تھے اور عقل عاشر سے تمام عالم کے کام متعلق ہیں تو اول موجودات جس کو ایک اعتبار سے عقل اول کہنا سزاوار

ہے۔اگر یہ کام کریں تو کیوں مستبعد سمجھا جائے۔اشارات کا ترجمہ جو ہم نے مقاصد الاسلام کے حصہ ہفتم میں لکھا ہے اگر دیکھ لیا جائے تو عقلی پریشانی بہت کچھ رفع ہو جائے گی۔

اطوار وجود

اس کے بعد یہ بات باقی رہ جائے گی کہ قبل وجود عنصری رسالت و ہدایت کی کیا صورت۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر موطن کی صورت اور لوازم مختلف ہوتے ہیں۔دیکھئے روز میثاق میں ہم ہی تھے کہ ’’الست بربکم‘‘ کے جواب میں ’’بلی‘‘ کہا تھا۔معلوم نہیں کہ وہاں ہماری غذا اور طرز معیشت کیا تھی۔مگر یہ تو یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہاں یہ غذا تھی نہ بدل ما یتحلل کی ضرورت تھی۔پھر والدین کے صلب و رحم میں بھی ہم ہی تھے مگر یہ نہیں بتلا سکتے کہ ہماری اس وقت کیا حالت تھی اور ہمارے وجدانیات کس قسم کے تھے۔پھر اس عالم میں آنے کے بعد ہماری حالت ہی کچھ اور ہوگئی۔اس کے بعد عالم برزخ میں بھی ہم ہی ہوں گے۔اور ہمارے حالات وہاں اس عالم کے حالات سے بالکل مغائر ہوں گے، پھر قیامت میں معلوم نہیں ہمارا حشر کیا ہوگا اسی پر قیاس کر لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے ہر موطن کے حالات مختلف تھے ابتدائے تکوین میں ابو العالم ہوئے اُس کے بعد رسول اللہ کہلائے۔اور تمام خلق کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ:

تمام خلق اللہ کے آپ رسول ہیں

مسلم شریف میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ ’’بعثت الی الخلق کافۃ‘‘ یعنی میں تمام خلق کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔اب اگر اس کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ چالیس سال کی عمر میں جو میں مبعوث ہوا تو فقط انسانوں ہی کی طرف مبعوث نہیں ہوا بلکہ کل خلق اللہ کی طرف مبعوث ہوا، ورنہ کافۃ کا لفظ بیکار ہوا جاتا ہے۔اس لئے کہ مجموع خلق اللہ تو وہی ہوگی جو حضرت کے نور سے پیدا ہوئی اگر کہا جائے کہ اس تقدیر پر بعثت کے معنی صادق نہیں آتے اس لئے کہ اُس کے معنی بھیجنے کے ہیں۔تو ہم کہیں گے کہ بعثت

کیلئے اس کی کیا ضرورت کہ عالم جسمانی کے ساتھ مختص ہو۔ اگر ملائکہ کیلئے کوئی نبی مقرر ہو تو اُس کیلئے بھی یہی لفظ موضوع ہے۔ حضرت چالیس سال تک کفار میں رہے۔ اُس کے بعد آپ مبعوث ہوئے یعنی نبی مقرر کئے گئے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس عالم میں آپ ایک مدت تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر جب آفرینش عالم کی بنیاد قائم ہوئی تو آپ کل مخلوق کیلئے مبعوث ہوئے یعنی جتنی چیزیں پیدا ہوئیں اور پیدا ہوں گی سب کیلئے آپ ہی مبعوث ومقرر ہوئے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

یہاں یہ شبہ وارد ہوتا تھا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ کئی ہزار نبی گذرے۔ پھر تمام مخلوق کے نبی حضرت کیوں کر ہوسکتے ہیں۔ اس کا جواب قرآن شریف سے یہ ملتا ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام بھی حضرت کے امتی ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ’’واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جائکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشہدوا وانا معکم من الشہدین‘‘ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے اقرار لیا کہ اگر آئے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اُس چیز کا تمہارے پاس ہے تو تم اُس پر ایمان لاؤ اور اس کو مدد دو کہا، کیا تم نے اقرار کیا؟ کہا انہوں نے اقرار کیا۔ پس تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

مواہب میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا نور اور انبیاء کے انوار پیدا ہوئے تو حضرت کے نور کو حکم فرمایا کہ انبیاء کے نوروں کو دیکھو حضرت کے نور نے اُن کے نور کو ڈھانپ لیا، انہوں نے کہا اے رب کس کے نور نے ہمارے نوروں کو ڈھانپ لیا۔ فرمایا یہ نور محمد بن عبداللہ کا ہے اگر تم اُن پر ایمان لاتے ہو تو میں تمہیں انبیاء بناؤں، انہوں نے کہا ہم ان پر اور اُن کی نبوت پر ایمان لائے۔ فرمایا کیا میں اُس پر گواہ رہوں، کہا ہاں، یہ ’’واذ اخذ اللہ میثاق النبیین‘‘ کی کیفیت ہے۔ اس کے بعد مواہب میں شیخ

تقی الدین سُبکی کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے ثابت ہے کہ کل انبیاء اور اُن کی امتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں۔ الغرض نہ کوئی نبی حضرت کے اُمتی ہونے سے خارج ہوتے ہیں نہ کوئی اُمتی۔

بی بی حوّا علیہا السلام کا مہر درود شریف تھا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن جوزیؒ نے سلوۃ الاحزان میں لکھا کہ جب حوّا علیہا السلام پیدا ہوئیں تو آدم علیہ السلام نے اُن کے نزدیک جانا چاہا انہوں نے مہر طلب کیا، آدم علیہ السلام نے بارگاہ کبریا میں عرض کی کہ الٰہی کیا چیزیں اُن کو دوں ارشاد ہوا کہ میرے حبیب محمدؐ بن عبداللہ پر بیس بار درود پڑھ لو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ انتہیٰ

حوّا علیہا السلام کا مہر کی درخواست کرنا ایک الہامی امر تھا۔ اس الہام سے مقصود یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور احسان آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد پر ہو وہ لوگ بڑے ناخلف ہیں جن کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت نہیں ہے۔

ہر چند مہر از قسم مال ہوتا ہے۔ مگر اُس وقت مال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جنت میں ہر قسم کا عیش و فراغت حاصل تھی۔ اس وقت حضرت بی بی کے پیش نظر یہی تھا کہ اولاد میں برکت ہو چنانچہ اُس کا اثر ظاہر ہوا۔

انتقال نور باصلاب وارحام طاہرہ

جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے اور توالد وتناسل کی بنیاد پڑی تو وہ نور نبوی منتقل ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی تک پہونچا۔ چونکہ آدم علیہ السلام اُس نور مبارک کی عظمت و شان دیکھ چکے تھے اس لئے اپنے فرزند جانشین شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ تمہاری پیشانی میں جو نور ہے وہ منتقل ہوتا جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قسم کی بے احتیاطی ہو اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ وہ ایسی عورتوں میں ودیعت رکھا کریں کہ وہ مطہرات ہوں۔ یعنی لوث زنا سے مبرا ہوں۔ چنانچہ یہ وصیت برابر خاندان میں جاری رہی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ جن جن حضرات کی پیشانی میں وہ نور منتقل ہوتا اُن کا حسن دوبالا ہو جاتا۔

اورعورتیں عاشق ہوتی تھیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ جوان عورت جوان مرد پر عاشق ہوتو بچنا کیسا مشکل ہے۔ جاہلیت کے اشعار سے ظاہر ہے کہ عرب عورتوں پر کیسے مرتے تھے۔ایسی حالت میں فقط وصیت کے لحاظ سے بچنا قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔اسی کو دیکھ لیجئے کہ خود خدائے تعالیٰ نے جو وصیتیں کی ہیں مثلا ارشاد ہے’’ ووصینا الانسان بوالدیہ احسنا‘‘ وغیرہ اس پر کیا عمل ہورہا ہے۔ جب اسلامی روشنی کے زمانہ میں خدا اور رسول کی وصیتوں کا یہ حال ہوتو زمانۂ جاہلیت کے تاریکی میں آدم علیہ السلام یا شیث علیہ السلام کی وصیت کا کیا اثر ہوسکتا ہے مگر بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ حبیب پاک کے دامن کو کسی قسم کے عیب کا دھبا نہ لگنے پائے۔اس لئے اُن حضرات کے دلوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں رکھی کہ کسی ناشائستہ حرکت کے طرف توجہ ہو۔ چنانچہ جب قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام قتیلہ تھا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب پر عاشق ہوئی۔ بہت کچھ چاپلوسی کی یہاں تک کہ سو اونٹ دینا قبول کیا مگر آپ نے اُس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور صاف جواب دیدیا کہ اس کام کو میں اپنی عزت ریزی سمجھتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں متعدد روایتیں نقل کی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کوئی اہل جاہلیت کے نکاح سے پیدا نہیں ہوا۔انتہیٰ

اہل جاہلیت کے نکاح اقسام کے تھے۔اس معمولی نکاح کے سوا دوسرے قسم کے نکاح بھی تھے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ عورت دس سے کم آدمیوں کو بلاتی۔اور وہ سب اُس کے ساتھ وطی کرتے اور جب اُس کو حمل ہوتا تو بعد وضع حمل اُن سب کو بلاتی،اور ان میں سے ایک شخص سے کہتی کہ یہ لڑکا تیرا ہے اور وہ انکار نہ کرسکتا۔

غرض کہ کل خاندان نبوی اس قسم کے نکاحوں سے منزہ تھا اُس نور مبارک سے جیسے آدم علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہوئی،جہاں جہاں وہ نور منتقل ہوتا گیا اُن کو فضیلت حاصل ہوتی گئی،چنانچہ آیۃ شریفہ ’’وتقلبک فی السجدین‘‘ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ساجدین سے مراد حضرت

کے آباو اجداد ہیں جس سے ثابت ہے حضرت کے کل سلسلۂ نسبی میں اتقیا تھے۔

ابراھیم علیہ السلام کے نہ جلنے کا سبب

اس نور مبارک کی عظمت کو آپ نے معلوم کرلیا کہ مبدأ ایجاد عالم ہے اور جب آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا تو وہ مسجود ملائک بنائے گئے اسی طرح جن اصلاب طاہرہ میں منتقل ہوتا گیا وہاں اقسام کے برکات وعجائبات ظاہر ہوتے گئے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی نعت میں ایک قصیدہ حضرت کو سنایا۔ اور حضرت نے اُن کو دعا دی۔ منجملہ اور اشعار کے ایک شعر یہ ہے:

وردت نار الخلیل مکتتما　　　فی صلبه انت کیف تحترق

یعنی ابراھیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے اُس وقت آپ اُن کی پیٹھ میں تھے تو وہ کیونکر جل سکتے تھے۔ انتہٰی

دیکھئے عباس رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا کہ آپ کی برکت سے وہ نہیں جلے۔ اور حضرت نے اُن کے کلام کی کچھ اصلاح نہیں فرمائی۔ اس سے اس کلام میں شاعرانہ حیثیت باقی نہ رہی۔ بلکہ شرعی حیثیت آگئی۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا سکوت کسی مسئلہ میں جو اعتقاد سے متعلق ہو اُس کو شرعی مسئلہ بنا دیتا ہے۔

قصۂ ابرہہ

مواہب میں لکھا ہے کہ جب عبدالمطلب تک وہ نور منتقل ہوا تو اُن کی پیشانی چمکتی تھی۔ جب کبھی سخت قحط ہوتا تو قریش اُن کے پاس آتے اور اُن کو جبل ثبیر پر لیجاتے اور اُن سے دعا کرواتے تو بہت پانی برستا۔ ابرہہ نے جب کعبہ شریف پر چڑھائی کی تو اُس نور مبارک سے بہت سے آثار و برکات ظاہر ہوئے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ابرہہ نجاشی کی طرف سے لشکرکشی کر کے یمن پر قابض ہوگیا۔ دیکھا کہ لوگ تیاری کر کے حج کیلئے جارہے ہیں۔ پوچھا یہ سب کہاں جاتے ہیں، کہا گیا مکہ کو جہاں بیت اللہ ہے۔ کہا وہ کس چیز سے بنایا گیا۔ کہا گیا پتھروں سے۔ کہا میں تمہارے لئے ایک گھر اُس سے بہتر بناتا ہوں۔

چنانچہ صنعا میں سنگ مرمر اور زرد سرخ اور سیاہ پتھر قصر بلقیس سے منگوا کر ایک کنیسہ بنایا اور سونے چاندی اور جواہر سے اُس کو مرصع کیا۔ اور سونے چاندی کی صلیبیں اُس میں نصب کیئے اور ہاتھی دانت اور آبنوس وغیرہ کے منبر رکھے۔ یہ تمام سامان کر کے لوگوں کو حج کے جانے سے منع کرنے لگا۔ جب یہ خبر عرب میں مشہور ہوئی تو ایک شخص قبیلہ کنانہ سے وہاں گیا۔ اور موقع پا کر اُس کنیسہ میں پاخانہ پھر دیا۔ ابرہہ بکمال غضب سے ساٹھ ہزار فوج اور ہاتھیوں کو لے کر بہ ارادۂ ہدم کعبہ نکلا جب قریب پہونچا تو عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش کو لے کر جبل ثبیر پر چڑھ گئے۔ اُس وقت وہ نور مبارک جو اُن کی پیشانی میں تھا پھیل کر ہلال بن گیا۔ اور ایسا روشن ہوا کہ اُس کی روشنی بیت اللہ پر پڑتی تھی۔ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر قریش سے کہا کہ اب ہماری فتح ہے اپنے گھر کو چلو۔ ابرہہ نے ایک شخص کو مکہ میں اس غرض سے بھیجا کہ لوگوں پر اپنا رعب قائم کرے جب وہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے روبرو آیا اور اُن کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو اُس پر اس قدر آپ کا رعب چھایا کہ بات کرنا مشکل ہوگئی۔ اور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ پھر جب ہوش میں آیا تو اُن کو سجدہ کر کے کہا کہ بیشک آپ سردار قریش ہیں۔ پھر جب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ابرہہ کے پاس گئے تو اُس نے بڑا ہاتھی اُن کو خوف دلانے کی غرض سے منگوایا، اُس کا بھی وہی حال ہوا کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا چہرہ دیکھتے ہی سربسجود ہوا۔ ابرہہ کا ہنوں وغیرہ سے اس کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا کہ یہ سجدہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو نہ تھا بلکہ اُس نور کو تھا جو اُن کی پیشانی میں چمک رہا ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر بھی وہ متنبہ نہ ہوا۔ اور ہاتھیوں اور لشکر کو کعبہ شریف کی طرف بڑھانے کا حکم دیا۔ اس وقت چھوٹے چھوٹے پرندے بکثرت نمودار ہوئے۔ اور مسور کی دال کی برابر کنکریاں اُن پر پھینکنے لگے جس کو وہ کنکری لگتی وہ ہلاک ہوجاتا۔

’’الم تر کیف‘‘ کے معنی

اسی قصہ کو حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے ’’الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل‘‘ یعنی کیا

آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت شریف اس واقعہ کے بعد ہوئی۔اس لئے مفسرین نے ''الم تر ''کے معنیٰ ''الم تعلم '' لکھا ہے مگر اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت اپنی نورانیت کے ساتھ اس وقت موجود تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ہاتھی آپ کو سجدہ کر رہا ہے۔اور تمام لشکر کو پرندے ہلاک کر رہے ہیں اور سب بھاگے جا رہے ہیں۔

حضرت کے نور کو ادراک تھا

اگر کہا جائے کہ اُس نور کو ادراک نہ تھا۔ کیونکہ ادراک کا زمانہ بعد وجود عنصری ہے تو ہم کہیں گے کہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی ۔ دیکھئے کل ملائک نورانی ہیں۔اور اُن کا ادراک جسمانی ادراک سے بڑھا ہوا ہے۔اسی طرح روح کا ادراک، پھر یہ بھی بے ادبی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت کے حالات کو ہم اپنے حالات پر قیاس کریں۔ دیکھئے عالم جسمانی میں آنے کے بعد بھی حضرت کی حالت نرالی تھی ۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس آنحضرت ﷺ کامل نو مہینے شکم مادر میں رہے۔مگر اس مدّت میں کبھی نہ اُن کے سر میں درد ہوا اور نہ اعضاو مفاصل میں استرخا۔اور نہ شکم کی کوئی شکایت اور نہ کسی چیز پر رغبت ہوئی جیسا کہ ہر حاملہ کو ہوتی ہے۔ حضرت کے والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ مجھے اتنا تو خواب میں معلوم ہوا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تمہیں سردار اُمت کا حمل ہوا ہے، اُس کے بعد نہ مجھے پیٹ میں کچھ ثقل معلوم ہوا نہ کسی چیز پر رغبت ہوئی۔ جیسے حمل والی عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔نئی بات یہ ہوئی کہ حیض موقوف ہوگیا۔انتہیٰ

عادتاً ثابت ہے کہ یہ تمام امور حمل کا لازمہ ہیں۔ یہ تو کھلی بات ہے کہ بچہ روز بڑھتا جاتا ہے۔اور اُس کے ساتھ پیٹ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ عورت حمل کو چھپا نہیں سکتی۔ رسالۂ جنین میں حکیم محمد مہدی صاحب نے لکھا ہے کہ نو مہینے کا پورا جنین سولہ سے اٹھارا انچ تک لنبا اور وزن میں اوسط تین سیر ہوتا ہے اور رحم کے حال میں لکھا ہے کہ وہ تین انچ لنبا اور دو انچ چوڑا اور ایک انچ دبیز اور اوسط تین تولہ

وزنی ہوتا ہے۔رحم کی اتنی تھوڑی وسعت میں تین سیر وزنی اور اٹھارہ انچ طولانی جسم آجائے اور نہ ثقل کا احساس ہو نہ اذیت وغیرہ کا۔ ہرگز عقل میں نہیں آسکتا مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کے تمامی حالات اسی قسم کے ہیں اس لئے اُس کے ماننے پر ہم مجبور ہوتے ہیں۔اور یہ کہہ کر عقل کو تسکین دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت کو بے نظیر اور بے مثل پیدا فرمایا۔اور خالق جب کسی چیز کو کسی خاص وضع و ترکیب پر پیدا کرنا چاہے تو اُس کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔

اب اور سنئے کہ آنحضرت ﷺ جب پیدا ہوئے تو آپ کا نال کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کا نال کٹا ہوا تھا۔اس روایت کو طبرانی اور ابن عساکر اور ابن اسحاق نے تخریج کی ہے۔انتہیٰ ملخصاً

تحقیق مشیمہ ورحم وغذائے طفل

یہ بات باتفاق اطبائے یونانی وڈاکٹری ثابت ہے کہ رحم میں بچہ کی غذا خون حیض ہوتا ہے۔چنانچہ شیخ نے شفا اور قانون میں لکھا ہے کہ حاملہ میں خون حیض کے تین حصہ ہوتے ہیں۔ایک حصہ بچہ کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ایک حصہ پستان کی طرف چڑھتا ہے اور ایک حصہ باقی رہتا ہے۔ جو نفاس میں خارج ہوتا ہے اور لکھا ہے کہ جنین کو تین جھلیاں گھیری رہتی ہیں۔ایک مشیمہ یعنی آنول، مشیمہ سب پر محیط ہے۔ یہی جنین کو غذا پہنچانے کا واسطہ ہے۔ کیونکہ ورید جس کے ذریعہ سے خون تمام بدن میں پہونچتا ہے، جنین کے جگر سے ناف تک آتی ہے، پھر ناف سے نکل کر دو وریدیں ہو جاتی ہیں۔اور یہ دونوں وریدیں آنول میں پہنچتی ہیں۔اور ان کی انتہا اُن رگوں کے منہ پر ہوتی ہے۔ جو رحم میں ہیں اور شریان بھی ناف ہی کے ذریعہ سے جنین میں جاتی ہے یہ قانون کا ماحصل ہے۔اس سے ثابت ہے کہ رحم کی رگوں میں جو خون آتا ہے وہ بذریعہ اَوِردَہْ بچہ کے جگر میں پہونچتا ہے۔وہی اُس کی غذا اور باعث حیات ہے۔اگر یہ خون وہاں نہ پہونچ سکے تو جنین ہلاک ہو جائے ، رسالہ جنین میں لکھا ہے کہ آنول کے دو حصے ہوتے

ہیں۔ایک زچہ کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے اور دوسرا جنین کے ساتھ، جو حصہ زچہ کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے وہ اسفنج کی طرح خانہ دار بناوٹ کا ہے اور اس میں اَورِدَہ اور شرائین بھرے ہوئے ہیں اور جو حصہ جنین سے متعلق ہے وہ ناف کی رگوں اور شریانوں کی شاخوں سے بن گیا ہے۔نال ایک رسی کی سی چیز ہے۔چونکہ جنین اور آنول کے درمیان پھیلنے والی رگ اور شریانوں سے بنی ہے۔اور یہ اکثر آنول کے پیچوں بیچ سے اُگنی شروع ہوکر جنین کے ناف پر جاکر تمام ہوتی ہے۔اور اس کی ساخت میں ناف کی دو شریان اور ایک رگ ہے، انہیں دو شریان کے وسیلے جنین کے اُس ورید میں جو پیروں کے جانب اُتری ہے آنتوں کے حصوں میں خون پہنچتا ہے۔اور اسی رگ کے ذریعہ وہ خون پھر لوٹ کر جنین کے بدن میں جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ خون حیض آنول کے ذریعہ سے جنین کو پہنچتا ہے اور اُس کی وہ غذا ہوتی ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی غذا رحم میں

چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت کی نشو نما بھی خاص طور پر ہو، اور یہ احتمال بھی نہ رہے کہ خون غذا بنایا گیا اس لئے آنول ہی قطع کردی گئی۔اب کون کہہ سکتا ہے کہ حمل میں حضرت کی وہی معمولی غذا تھی، جو لوگ پابند عقل وحواس ہیں وہ تو یہی کہیں گے کہ بغیر غذائے معمولی کے زندگی محال ہے۔مگر جو لوگ حقائق سے واقف ہیں اُن کے نزدیک اُس کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ اُن کے پیش نظر وہ صحیح حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف میں ابوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ایک شخص نے کہا کہ آپ تو وصال فرمایا کرتے ہیں حضرت نے فرمایا ''وایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی''، یعنی مجھ جیسا تم میں کون ہے مجھے رات کو میرا رب کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے۔انتھیٰ

وصال اُس کو کہتے ہیں کہ بغیر افطار کے روزہ پر روزہ رکھیں۔دیکھئے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کے حالات ہی نرالے تھے اور کوئی حضرت کا مثل نہیں ہوسکتا، اس حدیث متفق علیہ سے

ثابت ہوسکتا ہے کہ ولادت باسعادت میں جو خصوصیات مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

آنول سے جو خون کہ ناف کی رگ کے وسیلے سے دوڑتا ہے اس میں سے ایک حصہ تو شریان کے نالیوں کے وسیلے فوراً اوپر کو جانے والی ورید میں جا پہنچتا ہے اور دوسرا حصہ اُس ورید کے ذریعہ سے جو خون قلب میں پہنچاتی ہے۔ پہلے کلیجہ میں جاتا ہے بعد اس کے کلیجہ کی رگ کے وسیلے سے پھر اوپر جانے والی ورید میں جا داخل ہوتا ہے۔ نال کے مقطوع ہونے سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریان بھی قطع کی گئی تھی تاکہ ہوا بھی اُس غلاظت میں سے ہو کر اندر نہ پہونچے اور کسی قسم کی نجاست سے آپ ملوث نہوں۔

آنحضرت ﷺ لطیف وطاہر پیدا ہوئے اور پہلے آپ نے سجدہ کیا اور کلمہ شہادت پڑھا

چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ہمام بن یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ اسحاق ابن عبداللہ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف پیدا ہوئے۔ کسی قسم کی نجاست آپ کے جسم مبارک پر نہ تھی۔

ہر چند ہم اعتقاد کی راہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک آپ نے رحم میں تشریف رکھا، خدائے تعالیٰ نے آپ کے والدہ میں تولید خون فاسد کیا ہی نہیں۔ کیونکہ تولید خون سے جنین کو غذا پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ اور وہاں غذا کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مگر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ شیخ نے قانون میں لکھا ہے کہ تیسری جھلی جو جنین سے متصل رہتی ہے، اُس میں کسی قسم کی نجاست نہیں رہتی۔ خون کا تعلق مشیمہ سے ہے۔ اس کے نیچے جو جھلی رہتی ہے اس میں جنین کا پیشاب جمع ہوتا ہے۔ اور اس تیسری جھلی میں کوئی چیز اس قسم کی نہیں رہتی، اس جھلی کا نام انفس لکھا ہے۔ اگرچہ دوسری کتابوں میں اس کا نام کچھ اور ہے، مگر قانون میں جو نام لکھا ہے وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس جھلی میں نفاست اور لطافت ہے، کسی قسم کی نجاست کا اس میں گزر نہیں۔ جھلیاں قدرتی دیواریں ہیں جو کسی نہ کسی چیز کی حفاظت کیلئے بنائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے جھلیوں کا جسم ایک

خاص قسم کا ہوتا ہے، جو صلابت اور استحکام میں ممتاز ہوتا ہے۔ غرض کہ جنین اس غشاء النفس کے مستحکم قلعہ میں رہتا ہے، نہ وہاں خون حیض کا گذر ہے، نہ بول کا۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کیلئے وہاں کسی خاص اہتمام وانتظام کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ اس کی ضرورت تھی کہ اس عالم میں برمد ہوتے وقت لطیف رہیں۔ کسی قسم کی آلائش جسم مبارک تک نہ پہنچے تو اس کی تدبیر یہ ہوگی کہ جتنا خون تھا، سب دودھ میں صرف کردیا جاتا تھا۔ کیونکہ شیخ کی تقریر سے ابھی معلوم ہوا کہ حاملہ کے خون حیض کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ غذائے جنین میں صرف ہوتا ہے۔ اور ایک حصہ پستانوں کی طرف چڑھتا ہے۔ جس سے دودھ بنتا ہے، اور ایک حصہ نفاس کیلئے باقی رہتا ہے۔ جب یہ بات ہمیں معلوم ہوگئی کہ حضرت ولادت باسعادت کے وقت نظیف تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ مشیمہ میں اس وقت خون نہ تھا۔ ورنہ اس کے پھاڑنے سے جسم مبارک پر خون لگا رہتا۔ اس صورت میں یہ بات بہ آسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ خون سے دودھ ہی بنتا تھا اور مشیمہ خون سے پاک وصاف تھا۔ اور جب حضرت اس پاکیزہ مشیمہ سے برآمد ہوئے تو لطیف وطاہر تھے۔ اس لئے بغیر غسل کے عبادت میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ پہلے آپ نے ہی سجدہ کیا۔ پھر تسبیح وتکبیر کی، اور کلمہ شہادت اس طرح پڑھا کہ " لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ " جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

روایت مذکورہ بالا میں مصرح ہے کہ حضرت کے زمانہ حمل میں نہ اعضاء میں استرخا ہوا، نہ کسی قسم کا درد، نہ کسی چیز پر رغبت تھی جیسے حاملہ عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔ سہولت ولادت کے لئے فطرتی طور پر استرخائے اعضاء کی بھی ضرورت ہے جس کا عادتا وعقلا انکار نہیں ہوسکتا۔ اور کسی نہ کسی چیز پر رغبت ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ملک میں ستواسا کیا جاتا ہے جس میں ہر قسم کی غذائیں پکا کر حاملہ کی ضیافت کی جاتی ہے۔

حضرت کا جسم نور ہونے کے قرائن وآثار

غرض کہ عورت کے جسم میں غیر معمولی چیز کا تکون ہوتا ہے تو طبیعت میں تغیر ہونا ضروری ہے، مگر

یہاں کچھ تغیر نہ ہوا۔اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت کا جسم مبارک دیکھنے کو جسم تھا، مگر حقیقت میں وہ ایک قسم کا نور تھا۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ''قال رسول اللہ ﷺ ان امی رأت فی منامہا ان الذی فی بطنہا نور''۔یعنی میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پیٹ میں جو حمل ہے، وہ نور ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کا جسم مبارک نور تھا۔اسی وجہ سے نہ دھوپ میں آپ کا سایہ پڑتا تھا۔ نہ چاندنی میں، جیسا کہ مواہب میں لکھا ہے کہ ابن مبارک اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔اور حکیم ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ نہ دھوپ میں سایہ پڑتا تھا، نہ چاندنی میں، یہ بات سمجھ میں نہ آئے گی کہ حضرت کا جسم مبارک شفاف نہ تھا۔ کیونکہ نگاہ پار نہیں ہوتی تھی۔ پھر سایہ نہ پڑھنے کی کیا صورت، فی الحقیقت ایسا جسم کوئی دیکھا اور سنا نہیں گیا۔مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو اقسام کے جسم پیش نظر ہوجاتے ہیں۔ پتھر وغیرہ ایسے اجسام ہیں کہ کثافت ان پر غالب ہے۔اور بعض جسم ایسے ہیں کہ انہیں نورانیت بھی ہوتی ہے، مثلاً: موتی، الماس اور لعل وغیرہ۔اگر ان کو توڑ بھی ڈالیں تو ان کے ہر ٹکڑے میں نورانیت رہے گی اور بعض جسم ایسے ہیں کہ ظاہراً تو کثیف ہیں۔ کسی قسم کی نورانیت نہیں۔مگر کسی سبب سے وہ خود نور بن جاتے ہیں۔ جیسے زیتون وغیرہ کا تیل، اور بعض ایسے ہیں کہ نہ خود لطیف و نورانی ہیں، نہ کسی تدبیر سے وہ نور بنتے ہیں۔ مگر ان سے نور نکلتا رہتا ہے۔ جیسے آفتاب وغیرہ۔اگر ہم ان اجسام کو نہ دیکھتے تو ہرگز ہماری عقل قبول نہ کرتی کہ پتھر جو نگاہ کو روکنے والا ہے، اس سے نگاہ پار ہو۔اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے، اس سے سو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ مسافت پر کی چیزوں کو ایسے طور پر دکھائے جیسے کوئی نزدیک کی چیز کو دیکھتا ہے اور نہ عقل یہ قبول کرتی کہ جسم کثیف سے تمام عالم روشن ہوسکے، ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کوئی فیلسوف اس کی وجہ نہیں بتلاسکتا کہ آفتاب روشن کیوں ہے اور پتھر روشن کیوں نہیں، پھر نور بھی ایک قسم کا نہیں۔ برق کے نور اور چراغ کے نور میں ہر شخص فرق کرسکتا

ہے ۔اور سب سے بالاتر اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ جو اس آیۃ شریفہ سے ثابت ہے ’’اللہ نور السموات والارض‘‘ مگر اس نور کی حقیقت معلوم ہی نہیں ہوسکتی ، کیونکہ زمین میں بظاہر نور نہیں ہے ۔اگر آفتاب وغیرہ کا نور نہ ہوتو بالکل تاریکی نظر آئے گی۔ حالانکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نور موجود ہے، جو نص قطعی سے ثابت ہے، یہ بات اور ہے کہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نور سے مراد منوّر لی جائے ،مگر ایمانی طریقہ سے وہ درست نہیں ہوسکتا۔غرض کہ حق تعالیٰ کا وجود عقل سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔عقل کا کام اسی قدر ہے کہ چند جزئیات کو دیکھ کر ایک کلی بنالیتی ہے جس کے مفہوم میں وہ جزئیات داخل ہوتے ہیں۔اور جو چیز ایسی ہو کہ دوسری جزئی اس کے مثل نہ ہوتو وہ حیران ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کو دوسری چیز کا سہارا نہیں مل سکتا کہ یہ کہہ سکے کہ یہ فلاں چیز کے جیسی ہے۔اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی ذات کا ادراک نہیں کرسکتی، کیونکہ اس کا مثل نہیں۔

حضرت کا مثل ونظیر نہیں

چونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی ایسا ہی پیدا کیا کہ عالم میں کوئی آپ کا مثل نہیں۔اس لئے آنحضرت ﷺ کے ادراک سے بھی عقل عاجز ہے،مگر چونکہ آنحضرت ﷺ خالق اور مخلوق کے بیچ میں واسطہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے آپ کا نور پیدا ہوا۔اور آپ کے نور سے تمام عالم، اس وجہ سے آپ میں دو جہتیں ثابت ہیں ۔تحتانی جہت سے آپ محسوس اور مدرک ہیں اور فوقانی جہت سے آپ کا ادراک ممکن نہیں ۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔’’وتراہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون‘‘ یعنی آپ ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں، مگر وہ آپ کو دیکھتے نہیں، یعنی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں، مگر درحقیقت دیکھتے نہیں۔ حاصل یہ کہ ’’من جمیع الوجوہ‘‘ آپ کا ادراک ممکن نہیں۔ کیونکہ کوئی ملک یا بشر اس برزخیت میں آپ کا مثل نہیں ہوسکتا۔اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے مثل نہیں ہوسکتے ۔ کیونکہ وہ خالق ہے اور آپ مخلوق۔مگر یہ کہنا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ جس طرح حق

تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں، آنحضرت ﷺ کا بھی مثل نہیں۔ اس صورت میں بعض حضرات صوفیہ نے ''لیس کمثلہ شیء'' کی تفسیر میں جو لکھا ہے کہ ایک اعتبار سے اس میں کاف تشبیہ ہے۔ اس تقریر سے اس توجہ کا بھی یہ محمل ہوسکتا ہے۔ اس تقریر کے بعد اہل انصاف کو یہ سمجھنا آسان ہوسکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے اقسام کے اجسام اور اقسام کے نور بنائے۔ اگر ایسا ایک جسم پیدا کرے کہ اس میں جسمانیت کے بھی لوازم و آثار ہوں اور نور کے بھی، تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ ایک جسم ایسا نرالا پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔

مواہب میں لکھا ہے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوتے ہی عالم روشن ہوگیا۔ یہاں تک کہ شام کے مکانات مجھے نظر آنے لگے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو قصیدہ نعتیہ حضرت کے روبرو پڑھا، اس واقعہ کے طرف اشارہ اس میں ہے ''وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق''۔ یعنی جب آپ پیدا ہوئے، زمین اُفق تک آپ کے نور سے روشن ہوگئی۔ اب کہئے کہ عالم میں کوئی ذات ایسی سنی گئی کہ اس میں اس قسم کی کوئی بات پائی گئی ہو۔ پھر حضرت کو اپنے پر قیاس کر کے یہ کہنا کیونکر درست ہوگا کہ جس طرح عموماً آدمیوں کو قبل ولادت علم نہیں ہوتا، حضرت کو بھی نہ تھا۔ اب اگر ہم کہیں کہ ابرہہ کے واقعہ کا ادراک آپ کو اس وقت ہورہا تھا تو بہ نسبت آپ کے اُن خصوصیات کے جو ازل سے ابد تک مسلم ہیں۔ یہ کونسی بڑی بات ہوجائے گی۔

حضرت کا پیدا ہوتے ہی سجدہ کرنا

مواہب میں لکھا ہے کہ ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب محمد ﷺ پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ سجدہ میں ہیں۔ اور آپ کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہے۔ طبرانی میں روایت ہے کہ جب آپ زمین پر رونق افروز ہوئے تو سب انگلیاں بند کر کے سبابہ سے اشارہ کر رہے تھے، جیسے کوئی تسبیح کرتا ہے اور روایت کی گئی ہے کہ آپ پیدا ہوتے ہی بہ لسان فصیح فرمایا'' لاالہ الا اللہ وانی رسول اللہ، اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا

و سبحان الله بکرة و اصیلا“۔انتہیٰ ملخصاً۔

اب کہئے کہ کیا کوئی لڑکا پیدا ہوتے ہی اس قسم کی تہلیل وتکبیر وتسبیح اور سجدہ کرتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ بے شعوری کے زمانہ میں حضرت کو اعلیٰ درجہ کا شعور اور علم تھا۔ یہاں تک کہ اُسی زمانہ میں آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا۔ یہ لوازم اُس نور کے تھے جو ہر کمال میں یگانہ روزگار تھا۔جس کو جسمانیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابرہہ کے واقعات کو آنخضرتﷺ دیکھ رہے تھے۔جس طرح حق تعالیٰ فرماتا ہے۔”الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل “۔

رویائے عبدالمطلب

مواہب میں حلیہ ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ ابوالخیثم کہتے ہیں کہ میں نے ابوطالب سے سنا ہے کہ عبدالمطلب نے ان سے بیان کیا کہ ایک روز میں حطیم میں سو رہا تھا۔خواب میں دیکھا کہ ایک درخت اُگا جس کا سر آسمان تک پہنچ گیا اور ڈالیاں مشرق ومغرب میں ہیں۔اور وہ ایسا منور تھا کہ کبھی اس قسم کا نور میں نے نہیں دیکھا۔آفتاب کے نور سے ستر حصہ سے بھی زیادہ روشن تھا۔دیکھا کہ عرب وعجم اس کو سجدہ کررہے ہیں۔اور ایک جماعت قریش کی اُس کی شاخوں سے لٹک رہی ہے۔اور ایک جماعت اُس کے کاٹنے کی فکر میں ہے۔جب وہ اس کے نزدیک جاتے ہیں تو ایک خوبصورت جوان جو حسن وجمال میں بے نظیر ہے اور ایسی خوشبو اس کے جسم سے مہک رہی ہے کہ کبھی ایسی نہیں سونگھی۔ وہ ان لوگوں کی پیٹھ توڑتا اور آنکھیں اُکھاڑ دیتا ہے۔میں نے اپنا ہاتھ بلند کیا تا کہ کچھ حصہ اس سے حاصل کروں، مگر نہ پہنچ سکا، میں نے کہا یہ کس کے نصیب میں ہوگا۔اس جوان نے کہا کہ ان لوگوں کے جو اس سے لٹکے ہوئے ہیں۔ میں اس خواب سے پریشان اُٹھا اور ایک کاہنہ سے اس کی تعبیر پوچھی۔اس نے کہا کہ تمہاری اولاد میں ایک شخص ہوگا جو مشرق ومغرب کا مالک ہوگا اور لوگ اس کے فرماں بردار ہوجائیں گے۔انتہیٰ

عبدالمطلب کو حضرت کی جو صورت بتلائی گئی ، وہ کس شان وشوکت کی تھی کہ اس کا احاطہ مشرق و مغرب تک تھا۔ اور روشنی اس درجہ کی کہ آفتاب کی روشنی اس کا سترہواں حصہ بھی نہیں۔ نورنبوی اگر محسوس ہوتا تو اس کے مقابلہ میں آفتاب کی کبھی وقعت نہ ہوتی ۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عالم مثال میں مسجود خلائق ہیں۔ باوجودیکہ حضرت نے آدمیوں کو سجدہ سے منع فرمایا، مگر اُس عالم میں بلا تکلف عرب وعجم نے ان کو سجدہ کیا۔ بہرحال آپ کا مسجود خلائق ہونا کئی طرح سے ثابت ہے۔ مگر جب حضرت نے ہمیں منع فرما دیا تو اب جرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

حمل شریف کے برکات وخصوصیات

مواہب میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اِرادہ فرمایا کہ محمد ﷺ کو بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں پیدا کرے تو جنت کے داروغہ رضوان کو حکم دیا کہ فردوس کو کھول دیں اور آسمان وزمین میں منادی کرادی گئی کہ وہ نور مخزون ومکنون جس سے نبی ہادی ہوں گے، آج کی رات آمنہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں قرار پایا ہے۔ وہاں ان کی خلقت تمام ہونے کے بعد لوگوں کی طرف بشیر ونذیر ہوکر نکلیں گے۔ اور اسی کے قریب قریب کعب احبار سے بھی روایت ہے کہ اُسی رات تمام روئے زمین کے بُت اوندھے گر گئے۔ اُن دنوں وہاں قحط سالی تھی۔ مگر ولادت باسعادت کے ساتھ ہی زمین سرسبز اور درخت بارآور ہوگئے اور ہر طرف سے خیر وبرکت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چنانچہ اس سال کا نام اہل عرب نے ''سنۃ الفتح والابتہاج'' رکھا۔ انتہیٰ

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت الفردوس کے دروازے اس وقت تک بند تھے۔ اور حضرت ﷺ کے اس عالم میں تشریف لاتے ہی کھول دئے گئے۔

جنت الفردوس کی حضرت کے ساتھ خصوصیت

مواہب میں لکھا ہے کہ جنت الفردوس تمام جنتوں میں اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس میں مقام وسیلہ ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے سابق کے لئے جنت الفردوس نہیں کھولی گئی تھی۔ چونکہ حضرت کی اُمت کے برابر کسی نبی کی امت نہیں ہے۔اس لئے ممکن ہے کہ جنت الفردوس حضرت ہی کیلئے خاص کردی گئی ہواوراس پر قرینہ یہی ہے کہ حضرت افضل المرسلین ہیں اور حضرت کی اُمت خیر الامم ہے۔تو ان کا مقام بھی دوسروں کے مقامات سے ممتاز اور بہتر ہونا چاہئے۔اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت کے اس عالم میں تشریف لانے کے وقت اُس کے کھولنے کا حکم ہوا۔اس لئے کہ حضرت جب تک اُس عالم میں تھے،اعلیٰ درجہ کا تقرب الٰہی حاصل تھا۔اور جب اس عالم جسمانی میں تشریف لائے تو بمقتضائے آثار ولوازم جسمانی بظاہر اُس عالم سے کسی قدر دور ہوگئے۔اور پہلے سے یہ امر طئے ہو چکا ہے کہ جنت و دوزخ جزاءِ اعمال ہیں۔اور اعمال کا وجود اسی عالم جسمانی میں ہوتا ہے۔"کما قال اللہ تعالیٰ تلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون" جس سے ظاہر ہے کہ عالم آخرت کا تعلق اس عالم جسمانی سے ہے۔اسی مناسبت سے جب حضرت اس عالم میں تشریف لائے تو فردوس کا دروازہ کھل گیا۔اور ایک خاص تعلق پیدا ہوگیا۔

کُل عالم سے حضرت کا افضل ہونا

مواہب میں لکھا ہے کہ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری نے اپنی کتاب معجم کبیر میں کعب احبار سے اور ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب چھ مہینے حمل پر گزر گئے تو خواب میں کسی نے مجھ سے کہا کہ اے آمنہ! تمہارے حمل میں ایسے شخص ہیں کہ کُل عالموں کے لوگوں سے بہتر ہیں۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا اور اُس وقت تک اپنے حال کو چھپا رکھو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دردزہ تک میرے حال کو کوئی جانتا نہ تھا۔اُس وقت میں گھر میں اکیلی تھی،کیونکہ عبدالمطلب طواف کعبہ کو گئے تھے۔میں نے ایک سخت آواز سنی جس سے گھبرا گئی۔ پھر کیا دیکھتی ہوں کہ گویا ایک سفید پرندہ کا بازو میرے دل پر مسح کر رہا ہے۔اس کے ساتھ ہی مجھ پر جو خوف

طاری تھا اور دردزہ کی اذیت تھی ، سب جاتی رہی ، اور دیکھا کہ ایک پیالہ نہایت برّاق شربت کا رکھا ہوا ہے۔ میں نے اُسے پی لیا ، جس سے دور تک منور ہو گیا اور دیکھا کہ اونچی اونچی عورتیں جیسے بنات عبد مناف ہوتی ہیں ، میرے اطراف کھڑی ہیں۔ میں تعجب کی راہ سے کہہ رہی تھی کہ ان کو میرا حال کیونکر معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہم آسیہ اور مریم بنت عمران ہیں اور یہ جو ہمارے ساتھ ہیں ، جنت کی حوریں ہیں۔ اور میں ہر گھڑی دھماکے کی آوازیں سنتی تھی۔ یکایک دیکھا کہ آسمان وزمین کے مابین دیباج دراز کیا گیا ہے اور ایک شخص کہہ رہا ہے کہ اُن کو لوگوں کی نگاہ سے بچالو۔ اور کئی شخصوں کو دیکھا جو ہوا میں کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر پرندے بہت سے آ گئے۔ جن سے میرا حجرہ بھر گیا۔ اُن کی چونچیں زمرد کی تھیں۔ اور بازو یاقوت کے ، اُس وقت خدائے تعالیٰ نے میری بصارت کو کھول دیا۔ جس سے میں نے مشارق ومغارب کو دیکھا اور تین جھنڈے دیکھے۔ اُن میں سے ایک مشرق میں نصب کیا گیا ہے اور ایک مغرب میں اور ایک کعبہ کے اوپر ، پھر یکبارگی درد ہوا۔ جس سے محمد ﷺ پیدا ہو گئے۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو سجدہ میں تھے اور دونوں ہاتھ کے سبابہ آسمان کی طرف بلند ہیں اور اُن کی حالت ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی تضرع وزاری کر رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک سفید ابر اُتر کر آپ کو ڈھانپ لیا جس سے آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے اور ایک منادی کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کو زمین کے مشارق ومغارب میں گشت کراؤ ، اور دریاؤں میں لے جاؤ تاکہ ان کو نام سے اور نعت سے اور صورت سے سب پہچان رکھیں۔

کُل انبیاء کے علم سے حضرت کا علم زیادہ ہونا

اور خطیب بغدادی کی روایت میں اس قدر زائد ہے کہ جتنے روحانی اور ملائکہ اور طیور وحوش ہیں ، اُن پر بھی پیش کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ابر کھل گیا اور حضرت پیش نظر ہو گئے۔ اُس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک سبز حریر لپٹا ہوا تھا۔ جس میں سے پانی جاری تھا۔ اور ایک شخص کہہ رہا تھا کہ واہ واہ ! محمد ﷺ نے

تمام دنیا پر قبضہ کرلیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُس وقت رضوان خازن جنت نے حضرت کے کان میں کہا اے محمد ﷺ ! خوش ہو جایئے کہ کسی نبی کا علم ایسا نہیں ہے جو آپ کو نہ دیا گیا ہو۔ آپ سب انبیاء سے علم اور شجاعت میں زیادہ ہو۔ انتہیٰ

اس روایت میں جو مذکور ہے کہ ولادت باسعادت تک حمل کا حال کسی کو معلوم ہی نہ ہوا۔ اس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ جو اُوپر لکھا گیا کہ حضرت کا جسم ہی نرالا تھا۔ دیکھنے کو تو پورا جسم، مگر اُس کا سایہ ندارد، حمل میں پورا جسم مکمل، مگر شکم مادر میں کوئی تغیر نہیں، کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ حمل بھی ہے یا نہیں۔ اور خود والدہ صاحبہ کو اس کا ثقل محسوس نہ ہوا۔ اگر جسم مبارک معمولی جسم ہوتا تو ثقل اور جسامت کا محسوس نہ ہونا اور اس کا سایہ نہ پڑنا ممکن نہ تھا۔

ولادت کے وقت فرشتوں سے بات چیت

اس روایت سے جو رضوان کے بشارت دینے کا مضمون ہے، اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ولادت شریف کے وقت برابر ادراک تھا۔ مثل اور بچوں کے درجہ حیوانات میں نہ تھے، ورنہ رضوان کی یہ حرکت کہ صرف بشارت دینے کیلئے آسمانوں سے حضرت کے پاس آنا فضول اور بشارت دینا لغو ثابت ہوگا جو جلیل القدر فرشتہ کی شان سے بعید ہے۔ اس سے اُس مضمون کی بھی تائید ہوگئی جو ''الم ترکیف'' کے معنی میں ہم لکھ آئے ہیں، کہ خدائے تعالیٰ نے لفظ ''الم تر'' جو استعمال فرمایا، وہ اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ ورنہ ''الم تسمع'' کیا آپ نے نہیں سنا ارشاد ہوتا۔

تمام زمین اور آسمانوں میں حضرت کو گشت کرانا

اس روایت سے ثابت ہے کہ بمجرد اس کے کہ حضرت اس عالم جسمانی میں تشریف لائے، تمام زمین اور دریاؤں اور آسمانوں میں اس غرض سے آپ کو سیر کرائی گئی کہ تمام عوالم آپ کو پہچان لیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس عالم میں جو بھیجا، مقصود اس سے یہ تھا کہ تمام عالموں پر رحمت فرمادے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔ ’’وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین‘‘ گویا آپ کی ذات رحمت مجسم تھی، رحمت کے مضمون پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر وسیع چیز ہے۔

وسعت رحمت

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ’’رحمتی وسعت کل شیٔ‘‘ ...... ’’کل شیٔ‘‘ میں معدومات بھی داخل ہیں۔ اس لئے کہ ارشاد ہے ’’ انما قولنا لشیٔ اذا اردنہ ان نقول لہ کن فیکون‘‘ اس آیۂ شریفہ میں جو لفظ شیٔ مذکور ہے، اس سے مراد وہ شیئ ہے کہ ہنوز وجود میں نہیں آئی ۔ بلکہ اُس کے موجود کرنے کا ارادہ ہوا۔ اُس سے وجود دینا رحمت ہی کا مقتضی ہے اور اس کے لوازم وصفات اُسے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ’’واعطے کل شیٔ خلقہ ثم ہدی‘‘ یعنی ہر چیز کو اس کی خلق عطا کی جس کی وہ مستحق ہے۔ آگ کی خلق حرارت ہے، جو اس کو دی گئی اور پانی کی خلق برودت، یہ سب چیزیں دے کر پھر ہدایت کر دیتا ہے کہ اس طرح کام کرنا چاہئے۔ اسی کا نام فطرت ہے، چنانچہ ہر چیز سے بمقتضائے فطرت کام اور آثار وجود میں آتے ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ تمام عالموں کیلئے رحمت بنائے گئے اور ہر چیز بالطبع رحمت الٰہی کی خواہاں ہے۔ اس لئے ہر چیز اس رحمت کے دیکھنے کی مشتاق تھی، اس لئے تمام عالم کی خواہش پوری کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت کے دیدار مبارک سے ان کو مشرف فرمایا۔ یہاں تک کہ افلاک کے تمام ملائک اور بر و بحر کی تمام اشیاء نے آپ کو دیکھ لیا۔ جس سے آپ کی معرفت بخوبی حاصل ہوگئی۔ اور کُل عالم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کر لی۔ اس حدیث کی تصدیق اُس صحیح حدیث سے ہوتی ہے جو خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے۔

ہر چیز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ہیں

امام احمد اور ابن ابی شیبہ اور دارمی اور ابو نعیم نے تخریج کی ہے کہ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بنی نجار کے باغ کو گئے۔ اُس میں ایک سرکش اُونٹ تھا۔ اس کی یہ

حالت تھی کہ جو کوئی باغ میں جاتا،اس پر حملہ کرتا۔حضرت نے اندر جا کے اُسے بلایا۔وہ فوراً گردن جھکا کے حضرت کے روبرو بیٹھ گیا۔حضرت نے نکیل اس کی ناک میں ڈال کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا۔ پھر ہم لوگوں سے فرمایا کہ آسمان سے لے کر زمین تک سوائے نافرمان جن وانس کے ہر چیز جانتی ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اونٹ نے سجدہ کیا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ ! اس نے پہچان لیا کہ آپ نبی اللہ ہیں؟ فرمایا کہ سوائے کافر جن وانس کے، ہر چیز کو یہ معرفت حاصل ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔انتہیٰ

تمام عالم میں حضرت کی سیر کرائی گئی

ہر چیز کو آنحضرت ﷺ کی معرفت حاصل ہونے کا بظاہر یہی سبب ہوا کہ بمجر دولادت شریف تمام عالم میں بہ نفس نفیس تشریف فرما ہو کر اپنی دیدار سراپا انوار سے مشرف فرمادیا جس سے نام کے ساتھ صورت شناسی بھی ہوگئی۔اس معرفت کا یہ اثر تھا کہ جہاں حضرت تشریف لے جاتے ، جمادات و نباتات سلام کرتے ،اور جو حکم ہوتا،اس کو فوراً بجالاتے ،اگر خصائص کبریٰ دیکھی جائے تو معلوم ہو کہ حضرت کے ساتھ تمام اشیاء کا کیا حال تھا۔چند روایتیں اس سے متعلق ہم نے مقاصد الاسلام حصہ نہم میں بھی ذکر کئے ہیں۔

غالباً یہ بات سمجھ میں نہ آئے گی کہ تھوڑے سے عرصہ میں تمام عالم کی سیر حضرت نے کیونکر کی ،اگرچہ اس لحاظ سے کہ کسی آدمی کو ہم نظیر میں پیش نہیں کرسکتے ،اس کا جواب مشکل ہے ،مگر تعصب کو چھوڑ کر کوئی نیک نیتی سے سمجھنا چاہے تو چنداں مشکل بھی نہیں۔ پہلے یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ اگر نور سرعت سے حرکت کرے تو کوئی نادر بات نہیں سمجھی جاتی۔حالانکہ وہ بھی جسم سمجھا گیا ہے۔آفتاب سے جو جسم نور نکلتا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔کیونکہ ایک بڑی قوت کشش مرکز نظام شمسی کی اس کام میں لگی ہوئی ہے کہ

چھوٹے بڑے جسموں کو آفتاب کی طرف لاوے۔ یہاں تک کہ زمین کو اپنے قابو سے نکلنے نہیں دیتی۔ اگر زمین میں قوت تارک المرکز نہ ہوتی تو آفتاب سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ ایسی زوردار قوت شمس نے ایک خفیف جسم نور کو کیوں نہیں کھینچا۔ اگر آفتاب نے چاہا بھی کہ زمین کو اپنے نور سے منور کرے تو قوت کشش کو اپنے فطرت کے لحاظ سے اس نور کو کھینچ لینے پر مجبور ہونا چاہئے۔ کیونکہ مقتضائے فطرت رُک نہیں سکتا قواعد سائینس کے لحاظ سے آفتاب و ماہتاب وغیرہ نجوم کا نور جسم ہے۔ اگر کہا جائے کہ کشش جو آفتاب یا دوسرے اجسام میں ہے، اُس کا کام یہ ہے کہ جسم کو کھینچے، اور نور کے جسم ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر وہ جسم ہوتو ہم کسی حجرہ میں کسی نور کو مثلا دھوپ کو روزنوں کے ذریعہ سے لیں۔ اُس کے بعد روزنوں کو بند کردیں، تو چاہئے کہ وہ دھوپ اسی حالت پر باقی رہے۔ کیونکہ اس جسم نور کو باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ روزنوں کو بند کرتے ہی دھوپ کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور جسم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سائنس نے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ جسم ہے۔ چنانچہ علوم طبعیہ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ نیوٹن صاحب نے نور کی نسبت یہ رائے قائم کی کہ وہ مادہ کے جو خطوط مستقیم ہیں، روشن اجسام سے خارج ہوتا ہے۔ وہ نہایت باریک ذرّوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی وہ ایسے ذروں کی حرکت ہے کہ جب وہ ہماری نگاہوں سے دوچار ہوتی ہے، تو ایک ایسا احساس یا تاثیر یا جذبہ پیدا کردیتی ہے جسے ہم روشن کہتے ہیں۔ اہل سائنس جانتے ہیں کہ نیوٹن صاحب کی رائے فن سائینس میں بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ اُن کی اس تقریر سے نور کا جسم ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ وہ نور کو ذرّوں کا مجموعہ کہتے ہیں۔ ذرّہ کیسا ہی باریک ہو، جوہر بلکہ جسم ہوگا۔ جیسے دیمقراطیسی اجزاء بھی نہایت باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر اُن کی ترکیب سے بڑے بڑے اجسام بنتے ہیں۔ غرض کہ نور جسم ہے۔

اب اس جسم کی رفتار کا حال سنئے۔ اسی تاریخ میں لکھا ہے کہ روشنی ایک سکنڈ میں انیس لاکھ میل سفر

کرتی ہے۔اس حساب سے نور ایک منٹ میں گیارہ کروڑ چالیس لاکھ مسافت طئے کرتا ہے اور برق کی رفتار کی نسبت سائنس نے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے۔ حالانکہ برق ایک جسم کثیف ہے۔

اس قدر سرعت جو ان اشیاء کے حرکت میں ہے، اس کی وجہ غور طلب ہے۔جن لوگوں کی نظر نفس شئ پر ہے، وہ سہولت اس میں دیکھتے ہیں کہ جو چیز نظر آئے ، اُس میں دیکھ لیا جائے کہ کیا چیزیں اُس میں ہیں۔اُس کے بعد کہہ دیا جائے کہ وہ سب اُس کے لوازم اور مقتضائے صورت نوعیہ ہیں اور اس بحث کی کوئی ضرورت نہیں کہ آیا خود بہ خود لوازم بن گئے یا کسی نے بنایا۔اور حادث چیزوں کا خود بخود بن جانا عقلاً صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس عالم کے بعد کسی دوسرے عالم میں جانا نہیں ہے۔اس لئے ان کی ہمت ہمہ تن اس میں مصروف رہتی ہے کہ ہر چیز سے ہم کیا کیا منافع حاصل کرسکتے ہیں، اس کو دریافت کریں، چنانچہ اس میں بہت کچھ ترقی کی اور کررہے ہیں۔

دیکھئے انسان ہی کے جسم سے متعلق کتنے علوم ہیں۔تشریح اعضاء، منافع اعضاء، طب، حالات کاسئہ سر، قیافہ خطوط، مسمریزم، وغیرہ۔ پھر اعضاء میں ایک ایک کے حالات اس قدر ہیں کہ ان کے مباحث میں کتابیں لکھی گئیں۔اور آئے دن لکھی جاتی ہیں۔کیا بے شعور مادّہ ایسے غوامض اور منافع پیدا کرسکتا ہے، عالم میں ایک ایک چیز ایسی ہے کہ تمام عقلاء مل کر ویسی بنانا چاہیں تو ممکن نہیں۔غرض کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سوائے ایک ذات ''وحدہ لاشریک لہ'' کے، اتنا بڑا عالم جو بے انتہا صنائع و بدائع سے بھرا ہوا ہے، کوئی دوسرا بنا نہیں سکتا۔اس کی قدرت ایسی ہے کہ اس سے کوئی چیز سرتابی نہیں کرسکتی۔ اگر ذرّات سے عالم کی تخلیق ہوئی ہے تو اُسی نے ان میں قابلیت اور استعداد دی۔اور جس طرح چاہا اُن کا ایک مجمع بنا کر ایک وصف عطا کیا۔مثلاً چند ذرّات کو روشن کرکے آفتاب، چاند وغیرہ بنادیئے۔

اسی پر تمام چیزوں کو قیاس کرلیجئے۔جب تک اس میں اتنی قدرت تسلیم نہ کی جائے کہ عالم میں جس

طرح چاہتا ہے، وہ کرسکتا ہے۔تو اس کو خالق سمجھنا بے فائدہ ہے۔بعض حکماء نے جب دیکھا کہ خالق عالم میں نظر آتا ہی نہیں۔اس لئے انہوں نے ایک فرضی نقشہ عالم کا جمع کیا کہ تمام کرے ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اوران میں قوت تارک المرکز ہے۔حالانکہ یہ دونوں قوتیں ایسی ہیں کہ محسوس نہ ہوسکیں،مگر صرف بات بنانے کیلئے یہ دونوں قوتیں تمام کرات عالم میں فرض کی گئیں ہیں۔جن پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔اس بحث کو ہم نے کسی قدر تفصیل سے کتاب العقل میں لکھا ہے۔اگر خالق عالم تسلیم کرلیا جائے تو ایسی بے بنیاد چیزوں پر عالم کا قیام اور مدار رکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔دیکھئے،حق تعالیٰ نے عالم کواکب کا حال ایک مختصر جملہ میں فرمادیا۔’’کل فی فلک یسبحون‘‘یعنی جتنے سیارے ہیں۔ ہرایک ایک فلک میں تیرتے ہیں۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ اُن کی حرکت کوکشش سے کوئی تعلق نہیں ۔رہی یہ بات کہ فلک پانی نہیں جس میں وہ تیرتے ہیں۔اس کا تحقیقی جواب نہیں دیا جاسکتا اور نہ ایسا سوال کرنا درست ہے۔کیونکہ فلک ایسی چیز نہیں ہے کہ اُس کا دور سے پورا پورا ادراک کرسکیں۔جب تک ہم اس کونزدیک سے نہ دیکھ لیں۔اُس کے حالات پر پورے طور سے مطلع نہ ہوں،ہرگز نہ اس کا حال بیان کرسکتے ہیں،نہ اس میں تیرنے کی کیفیت کہہ سکتے ہیں۔

دیکھئے جب سے آدمی پیدا ہوئے ہوامیں ان کی بودوباش ہے۔اورآدمیوں میں کروڑوں عقلاء و حکماءگزرے مگر کسی نے اس کی پوری حقیقت بیان نہیں کی۔اہل سائنس نے ہوا کے اجزاء آکسیجن وغیرہ اور ہرایک کے منافع اور مضار بیان کئے۔مگر اب تک یہ دعوے نہیں ہوسکتا کہ ہوا کے پورے حالات پر واقف ہوگئے۔جب قریب کی چیز کی نسبت یہ حال ہوا تو لاکھوں کوس پر کی چیز کا حال کیا معلوم ہوسکے بجز اس کے کہ اٹکل سے کچھ بیان کردیا جائے۔مگر یہ بیان قابل اطمینان نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ ہم اپنے عالم میں دیکھتے ہیں کہ مختلف انواع واقسام اس میں ہیں۔مگر ہر نوع کی خصوصیات اورلوازم جداگانہ ہیں۔آگ کی جوخصوصیات ہیں وہ نہ پانی میں پائی جاتی ہیں۔نہ ہوا وغیرہ میں،حیوانات کے

خصوصیات اگر دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ نباتات اور جمادات میں ہرگز نہیں پائے جاسکتے۔ پھر جمادات کے اصناف میں جو خصوصیت ہیں وہ ہر سمت کو دوسری سمت سے ممتاز کردیتے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس جس نوع کے اصناف دیکھئے اس میں باہم امتیاز تام ہے بلکہ اشخاص میں جو خصوصیات ہیں، دوسرے سے پورے طور پر ممتاز کردیتے ہیں۔ اگر زید کے پورے اوصاف اندرونی و بیرونی لکھے جائیں تو عمرو کے مجموعی اوصاف سے بالکل مغائر ہوں گےاور ہر ایک کے حالات کا مجموعہ دوسرے کے مجموعہ سے بالکل مبائن ہوگا۔ چنانچہ اہل حکمت جدیدہ کے نزدیک مادۂ عالم اجزائے دیمقراطیہ ہے جو نہایت چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں۔

نیوٹن صاحب جن کی رائے اس زمانہ میں نہایت وقعت سے دیکھی جاتی ہے۔ان کا مذہب ہے کہ وہ اجزا نہایت سخت ہیں جو کسی طرح ٹوٹنا پھوٹنا ان کا ممکن نہیں۔ابتدائے آفرینش سے وہ قابل حرکت اور ثقیل ہیں اور ہر ایک میں قوت کششی ہے جو علی الاستقامہ ایک دوسرے کو زور سے کھینچتے ہیں اور وہ جب باہم مل جاتے ہیں تو قطرہ ہائے آب کی طرح فوراً مل کر ایک جسم ہوجاتے ہیں اور ایک بڑا قطرہ اُن سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر قوت حافظہ اشکال حادثہ کی حفاظت کرتی ہے اور بحسب مناسب ان اجسام میں قوت کششی بہ نسبت ذرّات کے زیادہ ہوتی ہے۔اور جس قدر فاصلہ زیادہ ہو اس قوت کا اثر کم ہوجاتا ہے۔انتہیٰ

یہاں یہ امر معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ وہ ذرّات یعنی اجزائے دیمقراطیہ متصل تھے یا دور دور، یہ ممکن نہیں کہ دور دور فرض کئے جائیں اس لئے کہ اس صورت میں خلاء لازم آتا ہے جو محال ہے۔ ہر چند اہل حکمت جدیدہ نے خلاء کو جائز رکھا ہے اور اس پر یہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں کہ ایر پمپ سے ہوا کسی ظرف کی خالی کرسکتے ہیں۔اور جب ہوا بالکل اُس مقام سے نکل جائے تو خلاء رہ جائے گا۔مگر اب یہ مذہب پرانے خیالات میں داخل ہوگیا ہے۔ تحقیق میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تمام عالم میں ایتھر بھرا ہوا ہے، جو نہایت لطیف وسیال چیز ہے۔جس کے ذریعہ کواکب کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ جب تمام عالم

میں ایتھر بھرا ہوا ہے تو اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذرّات دور دور تھے۔ کیونکہ اگر وہ دور دور فرض کئے جائیں تو ایتھر جو تمام عالم میں بھرا ہوا ہے وہ کہاں سے آ گیا۔ آخر ایتھر بھی جسم ہے جو انہی ذرّات سے مرکب ہے۔

الغرض، یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ وہ ذرّات متفرق اور دور دور ہوں اس صورت میں بغیر اس کے چارہ نہیں کہ وہ ذرّات باہم متصل پائے جاتے ہیں اور ناگزیر یہ کہنا پڑے گا کہ ابتدائے آفرینش میں کُل ذرّات ایک دوسرے کو چمٹے ہوئے تھے۔ اور تمام عالم ایک جسم متصل واحد تھا۔ اور قوت حافظہ اُس شکل کی حفاظت کرتی تھی جس سے کوئی ذرّہ دوسرے ذرّہ سے ہرگز جدا نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ہر ذرّہ کا مقتضی کشش ہے جس نے سب کو متصل بنا دیا۔ اور کسی ذرّہ میں قوت منافرت نہیں جو اس کو دوسرے سے علحدہ کرسکے۔

ذرّات میں کسی چیز کے بننے کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ وہ نہایت صلب اور سخت ہیں جو اپنی صورت کو چھوڑتے نہیں۔ اگر وہ اتفاق سے کسی مقام میں جمع ہوں اور ایک شکل وہاں بن جائے تو سوائے اس کے کہ اُن کا نام تہہ رکھا جائے کوئی چیز ایسی نہیں بن سکتی۔ جس میں اُن کے ذاتی اوصاف یعنی صلابت و حدت کی کوئی بات پیدا ہو۔ دیکھئے، پہاڑ جب سے پیدا ہوئے ہیں ایک حالت پر ہیں۔ تمادی ایام سے یہ نہیں ہوا کہ دوسری صورت قبول کریں کیونکہ ان کے اجزاء میں دوسری صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جن چیزوں میں رطوبت ہوتی ہے وہ اپنی صورت کو چھوڑ کر دوسری صورت کو قبول کرسکتے ہیں جیسے انڈے وغیرہ، کہ ان میں حیوانی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

حدائق النجوم میں نیوٹن صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ ہر ذرّہ جس طرح ازل میں پیدا ہوا ہمیشہ اُسی حالت پر ہے اور رہے گا۔ قدرت بشری اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کرسکتی اب کہئے کہ ایسی چیز ہے جس میں کسی قسم کی صلاحیت ہی نہیں بے انتہا مخلوق کیونکر بن سکتی ہے۔ ان ذرّات کو نہ حس ہے نہ

ادراک۔ اگر ان سے آدمی بنا ہو تو اس میں ادراک کہاں سے آ گیا۔ اگر وہ جمع ہو کر آدمی کا پتلا ہو گئے تو اس سے زیادہ اس میں کوئی بات نہ ہوگی کہ پتھر سے جو بت بنایا جاتا ہے، اس کے مثل ہو جائیگا۔ پھر اس سے بمرور زماں کیا وہ بت بالکل آدمی بن سکتا ہے ہرگز نہیں، اس لئے کہ اُس کے اجزاء میں رطوبت ہوتی ہی نہیں کہ دماغ دل جگر وغیرہ وغیرہ اعضاء بن سکیں جو خاص کاموں کیلئے موضوع ہیں۔

غرض کہ اگر مادّہ عالم ذرّات یعنی اجزائے دیمقراطیہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ عالم ایک مصمت کرہ ہو، اور پورے کرہ کی ایک شکل بنی ہو نہ اُس میں نجوم ہوں نہ عناصر نہ مولدات وغیرہ۔ کیونکہ جسم جن اجزاء سے مرکب ہوگا وہ انہی اجزاء کی جنس سے ہوگا۔ اگر اجزاء کثیف ہیں تو وہ کثیف ہوگا اور لطیف ہیں تو لطیف۔

الغرض، وہ ذرّات اگر لطیف ہیں تو عالم کو لطیف ہونا چاہئے اور کثیف ہیں تو کثیف، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم میں کوئی کثیف ہے تو کوئی لطیف، اور کوئی روشن ہے تو کوئی تاریک اور کوئی سرد ہے تو کوئی گرم اور کوئی خفیف ہے تو کوئی ثقیل اور کوئی سفید ہے تو کوئی سیاہ اور کوئی خوشبودار ہے تو کوئی گندہ، علیٰ ھذا القیاس متضادّہ اوصاف اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا کوئی منشا نہیں اس لئے کہ باہمی کشش کا مقتضی یہ ہے کہ کل کی مجموعی شکل ایک ہے کیونکہ اُن ذرّات کو اس قدر مہلت ہی نہ مل سکی کہ صورِ نوعیہ وغیرہ کو بناویں جو منشاء آثار مختلفہ ہو سکیں امور مذکورۂ بالا پر غور کرنے سے منکشف ہو سکتا ہے کہ ہمارا یہ عالم تو صرف ذرّات سے ہرگز نہیں بن سکتا، ہاں اگر خدائے تعالیٰ کو خالق ذرّات مان لیا جائے تو عقلی طور پر ذرّات کے ماننے اور اس سے عالم کے بننے میں چنداں دشواری نہ ہوگی۔

اب ہم ان دلائل سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ اگر اُن ذرّات سے آفتاب وغیرہ کروں کا بننا تجویز کیا جائے تو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ کل کرے وقت واحد میں بن گئے۔ بلکہ اگر اس کے خلاف میں دعوی کیا جائے تو چنداں بے موقع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تمام کروں کی مقداریں متفاوت ہیں، آفتاب زمین سے (۱۳۹۹۳۴۷) حصے بڑا ہے۔ (۱) ’’علی ھذا القیاس‘‘ دوسرے کرے بھی چھوٹے

بڑے ہیں تو جس زمانہ میں کہ زمین پوری بن گئی ممکن نہیں کہ آفتاب مکمل بن گیا ہو۔ کیونکہ اتنے ذرّات جو زمین سے (۱۳۹۹۳۴۷) حصے زیادہ ہوں، تھوڑی مدت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بظاہر قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب چونکہ تمام کرات نظام شمسی کا مرکز ہے، سب سے پہلے بننا چاہئے۔ پھر اُس کے توابع یعنی دوسرے سیارے جو نظام شمسی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ اُن تمام کا مدار شمس ہی پر ہے، پھر اُن کرات کے بننے کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ ذرّات ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جس سے ایک صورت خاص شخصی بنتی ہے اور سخت اختلافات ترکیبات و تالیفات کے بعد وہ اشخاص مزاجیں وغیرہ پاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیارات وغیرہ کا بننا تدریجی ہے۔ دفعتاً کوئی چیز نہیں بنتی اور یہ امر قابل تسلیم بلکہ بدیہی ہے کہ تھوڑے اجزاء میں جو قوت ہوگی، وہ بہ نسبت زیادہ اجزاء کے کم ہوگی۔

دیکھئے، دس پندرہ بالوں کی رسی بنائی جائے تو اس میں ایک قسم کی قوت ہوگی۔ پھر اسی پر ہزار ہا بال مثلاً بڑھا کر ایک رسی بنائی جائے تو وہ ایسی مستحکم اور قوی ہوگی کہ ہاتھی کی قوت پر بھی اُس کی قوت غالب ہوگی اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ آفتاب کا بہت بڑا جسم ہے جس کا قطر (۲۶۹۳۰) میل ۱۱۱/حصہ۔(۲) اور زمین کا قطر (۷۹۶۴) میل۔(۳) کا ہے۔ اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جس زمانہ میں ذرّات جمع ہو کر زمین کو بنا رہے ہوں گے، وہ نظام شمسی کے حدود سے خارج نہ ہوں گے بلکہ آفتاب کے احاطہ کشش کے اندر رہوں گے اور مقتضائے قوت کششی یہ ہے کہ جو چیز اُس کے احاطہ میں ہو بشرط عدم مانع فوراً وہ کھینچ کر اس جسم تک پہنچ جاتی ہے جس میں قوت کششی ہے۔ دیکھ لیجئے، مقناطیس کے حدود کششی میں اگر سوئی مثلاً رکھ دی جائے تو وہ اُڑ کر مقناطیس سے چمٹ جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ زمین کے مقام پر جتنے اجزاء جمع ہوتے گئے۔ ان کو آفتاب فوراً کھینچ لیتا گیا اور زمین کی جانب سے کوئی مدافعت ممکن نہیں۔ کیونکہ قوت تارک المرکز جو اس وقت زمین میں خیال کی جاتی ہے وہ اس مقدار خاص کے بننے کے بعد ہے۔ جس میں آفتاب کی قوت کے ساتھ مقاومت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی

ہے اور دراصل قوت تارک المرکز پیدا ہونے کا یہاں کوئی سبب ہی نہیں۔اس لئے کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ آفتاب اور زمین ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور اس وقت کوئی چیز ایسی مفروض نہیں ہے کہ زمین کو کھینچے جس سے زمین کشاکشی میں پڑکر کچھ آفتاب کی طرف مائل ہو اور کچھ اس تیسرے جسم کی طرف، بہرحال خواہ زمین اپنے جسمانی معین مقدار تک پہنچے یا نہ پہنچے، صورت مفروضہ میں ممکن نہیں کہ زمین کو آفتاب کی جانب جانے سے کوئی چیز روک سکے۔علیٰ ھذا القیاس تیسرا کرہ بننا شروع ہوا تو اس میں بھی اُسی وقت قوت تارک المرکز پیدا ہوسکتی ہے کہ دونوں کرّوں کے بیچ میں وہ جسم تکمیل ہوکر معلق رہے، اسی طرح کُل کرّات نظام شمسی کی حرکت تارک المرکز کا ابطال ہوسکتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کُل کرّات کو آفتاب کھینچ کر سب کو آفتاب بنادے اور کشش سے جو غرض ہے، یعنی اتصال پوری ہوجائے اور اس عالم میں سب فنا ہوکر صرف آفتاب ہی آفتاب رہ جائے۔

اگر اہل انصاف ذرا غور کریں تو صاف طور پر منکشف ہوسکتا ہے کہ مادہ کسی طرح خالق نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہو تو تمام کاموں میں بڑی سہولت ہوجائے۔اگر مکان مثلا: بنانا ہو تو صرف اس کا مادہ یعنی لکڑی، پتھر، چونا، وغیرہ فراہم کردینا کافی ہوجائے۔حالانکہ کوئی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی کہ مادّہ نے کسی چیز کو بنادیا ہو۔حکماء نے تسلیم کرلیا ہے کہ ہر چیز کی پیدائش میں چار علتوں کو دخل ہے۔(۱) علت مادی جیسے تخت کیلئے لکڑی وغیرہ۔۲۰) علت فاعلی جیسے نجار۔(۳) علت صوری جو اجتماع مادہ سے صورت مشکل ہوجاتی ہے۔(۴) علت غائی جو فاعل اس کے بنانے کے وقت کوئی غرض اپنے ذہن میں رکھتا۔جب ہم دیکھتے ہیں عالم میں انسان ہو یا حیوان جو چیز بناتا ہے، اس میں چار علتیں ضرور پائی جاتی ہیں تو اتنا بڑا عالم تیار ہونا اور اس کیلئے صرف ایک مادہ کافی ہوجانا کیا ممکن ہے۔حالانکہ اس میں کیسی کیسی صنعتیں رکھی ہوئی ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہے۔

دیکھئے، ہزارہا گذشتہ سالوں میں کروڑہا عقلا اور حکماء گزرے، مگر اب تک ہر چیز میں نئی نئی صنعتیں

اور مصلحتیں نکلتی جارہی ہیں اور کوئی دعوی نہیں کرسکتا کہ ان کی پوری تحقیق ہوگئی۔ جس فلاسفر سے پوچھئے کہ تم نے جو جو نئے معلومات حاصل کئے، کیا اب ان کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ ہرگز نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی کہے گا کہ ہنوز دلّی دُور ہے۔ اس مقام میں عالم سے متعلق چند علوم کا ذکر مفتاح السعادۃ وغیرہ سے کیا جانا مناسب سمجھا گیا جس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے عجائب وغرائب اس میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔

علم طب : جس میں بدن انسان کا حال ذکر کیا جاتا ہے۔ بقراط نے اس فن کو مدون کیا۔ اس فن کے کئی شعبے ہیں۔

علم تشریح : جس میں اجزائے بدن اور اس کی ترکیب سے بحث ہوتی ہے۔ اس فن کے دیکھنے سے قدرت خدا معلوم ہوتی ہے کہ کیسی کیسی حکمتیں اس میں رکھی ہیں۔ اگر ایک عضو کے حالات لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے اور ہنوز ناتمام رہے۔

علم الفراستہ : اس علم کے بھی بہت سے شعبے ہیں۔

علم الشامات والخیلان : اس علم میں خالوں سے متعلق بحث ہوتی ہے کہ کس مقام پر ہوں تو انسان کے اخلاق موجودہ بحسب فطرت کس قسم کے ہوں گے۔ دیکھئے، خال کا وجود جسم انسان پر ایک اتفاقی امر معلوم ہوتا ہے۔ مگر خالق عزوجل نے ان کو بھی عبث نہیں پیدا کیا بلکہ ان میں اور فطرتی اخلاق وغیرہ میں ایک ربط اور تعلق خاص عطا فرمایا، ورنہ کجا نقطۂ سیاہ اور کجا سعادت وشقاوت۔

علم الاساریر : اس فن میں اُن خطوط کے متعلق بحث ہوتی ہے جو ہتھیلیوں اور قدموں اور پیشانی پر ہوتے ہیں کہ کس قسم کا خط ہو تو انسان سعید یا شقی اور غنی یا فقیر ہوگا۔ ہتھیلیوں وغیرہ کے خطوط کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوں ہی اتفاقاً بن گئے ہیں مگر وہ بھی بے کار نہیں۔ اس فن سے جو لوگ واقف ہیں، وہ ان خطوط کو دیکھ کر احکام لگا دیتے ہیں کہ اُس کے سعادت وشقاوت کی کیا حالت ہے اور عمر کی کمی زیادتی بھی بتلا دیتے ہیں اور بیماریوں کی حالت سے خبر دیتے ہیں۔ گویا یہ خطوط کارنامۂ تقدیر ہیں جو ہر

انسان کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

علم الاکتاف : اس علم میں ان خطوط اور اشکال سے بحث کی جاتی ہے جو بکری کے شانوں کی ہڈی میں رہتے ہیں۔ اس فن کا واقف شخص جب ہڈی کو آفتاب کے مقابل کر کے دیکھتا ہے تو تمام عالم میں جو واقعات ہونے والے ہیں۔ مثلا: قحط، ارزانی اور جنگ، وغیرہ آنے والے حالات کو بیان کر دیتا ہے۔ یہ علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے۔ مدینہ طیبہ میں میرے ایک دوست نے جن کے صدق بیان میں مجھے کوئی شک نہیں، انہوں نے مجھ سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص یہاں اس فن کا واقف آیا تھا، اس نے کتف دیکھ کر بہت سے آئندہ کے حالات دوسرے شہروں کے بیان کئے۔ اس کی تصدیق کیلئے امتحانا پوچھا گیا کہ کل یہاں کوئی نیا واقعہ ہونے والا ہو تو اس کی خبر دی جائے۔ اس نے کہا کہ کل فلاں وقت یہاں ایک سخت ہوا چلے گی۔ جس سے پریشانی پیدا ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اب غور کیجئے بھیڑ بکری کے شانہ کی ہڈی میں خدائے تعالیٰ نے وہ صفت رکھی جو جام جم میں کہی جاتی ہے۔ جب ایسے معمولی جانوروں میں ایسے علوم ودیعت رکھے گئے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اُس میں کیا کیا نہ ہوں گے۔ مگر یہ سربستہ راز قدرت ہیں، ہر شخص ان پر مطلع نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ جن کو چاہتا ہے، ان کو عطا فرماتا ہے، اب غور کیجئے کیا بغیر خالق عالم کے ارادہ کے کیا ممکن ہے کہ مادہ سڑ گل کر ایسے علوم کو اپنے میں ایجاد کر سکے۔

مفتاح السعادۃ کے علم حیوان میں لکھا ہے کہ عرب اندلس میں ایک جانور ہوتا ہے کہ اگر اُس کے اوپر کا حصہ کوئی کھائے تو اس کی خاصیت یہ ہے کہ علم نجوم اس کو حاصل ہوتا ہے اور اگر درمیانی حصہ کھائے تو علم نباتات اور اس کے دُم کے پاس کا گوشت کھائے تو پانی کا علم حاصل ہوتا ہے کہ کس زمین میں کتنی دور پانی ہے۔ زمین کو دیکھتے ہی کہہ دے گا۔ انتہیٰ

دیکھئے، گوشت میں یہ تاثیر کیونکر آ سکتی ہے کہ اس کے کھاتے ہی افلاک اور زمین کے پوشیدہ

حالات معلوم ہوں۔

علم العیافہ : انسان کے قدم اور اونٹ گھوڑوں کے سموں سے جو آثار راستوں میں پڑتے ہیں ۔ان کا حال اس علم میں بیان کیا جاتا ہے ۔یہاں تک کہ اس علم کا واقف عورت اور مرد اور بچے اور بوڑھے کے نقش قدم میں فرق کر لیتا ہے اور ان پر احکام لگا سکتا ہے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نقش قدم پر کس طرح احکام لگائے جا سکتے ہیں۔مگر جب یہ ایک فن ہی ہو گیا ہے جس کے واقف کار موجود ہیں تو اس کا انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ایسے امور سے خدائے تعالی کی قدرت کی توسیع معلوم ہوتی ہے کہ کیسے کیسے راز سربستہ ادنی ادنی چیز میں رکھے ہیں۔آدمی ان تمام امور میں کہاں تک غور کر سکے۔

قابل افسوس یہ امر ہے کہ ان تمام امور کو نظر انداز کر کے ایک موٹی بات کہہ دی جاتی ہے کہ صلاحیت مادہ ان امور کے ظہور کا سبب ہوتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کی شان میں حق تعالی فرماتا ہے ”وماقدر االله حق قدره“۔

علم قیافتہ البشر: دو شخصوں میں نسبی تعلق ۔ہئیت اعضاء اخلاق واحوال سے معلوم ہوتا ہے۔وہ اس علم میں بیان کئے جاتے ہیں۔اس علم کے ساتھ عرب کو خاص طور پر طبعی مناسبت ہے۔چنانچہ مباحث طبیہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ اولاد میں ماں باپ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔خواہ امور ظاہرہ ہوں یا پوشیدہ۔اس مناسبت کو پہچاننا ہر شخص کا کام نہیں۔

ایک بار آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تھے۔اور وہاں اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ زید رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔صرف ان کے پاؤں کھلے ہوئے تھے ۔ایک قیافہ داں آیا۔جب اس کی نظر ان کے قدموں پر پڑی تو کہا کہ ہذہ الاقدام بعضھا من بعض۔یہ سن کر حضرت نہایت خوش ہوئے۔اس لئے کہ مشرکین، اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے۔

علم الریافہ : اس سے پانی کا حال معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کتنے دور پر پانی ہے اور پانی زیادہ ہے یا کم۔ ملک دکن میں بعض مقامات پر اس علم کے جاننے والے موجود ہیں۔ جہاں کنواں کھدوانے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بلوائے جاتے ہیں۔ اور پورے پورے حالات بتلا دیتے ہیں اور جب وہاں پانی ان کے کہنے کے مطابق نکلتا ہے تو ان کو کچھ دے دیا جاتا ہے۔ جو حالات ان لوگوں کے سنے گئے ہیں ، وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔

بارش کا علم : اس علم میں برق اور ابر اور ہواؤں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ پانی کب برسے گا۔ اور کتنا برسے گا۔

ترک میں اس علم کے واقف کار لوگ ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جہاں چاہیں، پانی برسائیں۔ اور جب چاہیں پھر دیں۔ یہ بات ان کو کسی منتر کی وجہ سے حاصل ہے یا اور کسی اسباب سے۔ اب اس قسم کے لوگ ہمارے ملک میں بھی سنے جاتے ہیں جن کو گارپکار کہتے ہیں۔

علم عرافہ : اس علم میں حوادث موجودہ سے حوادث آئندہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔ دونوں امور میں پوشیدہ مناسبت ہوتی ہے جس پر ہر شخص مطلع نہیں ہوسکتا۔

حکایت ہے اسکندر بلاد عراق میں داخل ہوا تو اس کا گزر ایک عورت پر ہوا جو کپڑا بن رہی تھی بادشاہ سے اس نے کہا اے بادشاہ! بڑا طویل وعریض ملک تجھ کو دیا گیا۔ اس کے بعد پہلے بادشاہ کا بھی اس عورت پر گزر ہوا۔ اس سے اس عورت نے کہا تمہارے ملک پر اسکندر غالب ہو جائیگا بادشاہ اس پر غضبناک ہوا۔ اس سے کہا کہ غصہ نہ کیجئے۔ بعضے نفوس ایسے ہیں کہ آئندہ ہونے والے کاموں کو پیشتر دیکھ لیتے ہیں۔ جب سکندر کا گزر مجھ پر ہوا تو میں ایک طویل وعریض کپڑا بننے کی تدبیر کر رہی تھی۔ اور جب آپ آئے تو میں اس کے بننے سے فارغ ہو کر اس کو کاٹنے کا ارادہ کر لی تھی۔ غرض، جس طرح اس نے کہا، ایسا ہی ہوا۔

حکایت ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ میں ایک نابینافن زجر وفال میں جوعلم عرافہ سے متعلق ہے،مشہور تھا۔اس کی عادت تھی کہ جوسوال اس سے کیا جا تااس کا جواب اس بات سے نکالتا جوسوال کے بعد کہی جاتی ۔ہارون رشید کے خزانہ سے بہت سی چیزوں کا سرقہ ہوا۔بادشاہ نے اس نابینا کو بلوایااور سب لوگوں کوحکم کیا کہ سوال کے بعد کوئی بات نہ کرے ۔چنانچہ سوال کے بعد سب ساکت تھے۔اور نابینا منتظر تھا کہ کوئی بات کرے،مگر جب وہ ناامید ہوااور ہاتھ دراز کر کےٹٹولنا شروع کیا۔کھجور کے گھٹلیوں پر اس کا ہاتھ پڑااور ساتھ ہی کہہ دیا کہ جو چیز چرائی گئی،وہ موتی اور یاقوت زمرد تھے۔ہارون نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ کہا کنویں میں۔جب تلاش کی گئی تو فی الواقع کنویں سے موتی وغیرہ برآمد ہوئے۔ہارون متحیر ہوااور دریافت کیا کہ کس طرح پہچانا؟ کہا کھجور کی جب گٹھلیاں ملیں تو میں نے خیال کیا کہ اس سے پہلے سفید طلاع نکلتا ہے۔جو موتی کے جیسا ہوتا ہے۔پھر وہ بسر ہوتا ہے،اس کا رنگ سبز ہوجا تا ہے جوزمرد کے جیسا ہوتا ہے۔پھر رطب سرخ ہوتی ہے جس کا رنگ یاقوت کے جیسا ہوتا ہے۔پھر جب تم نے سوال کیا کہ مسروق کہاں ہے؟ تواس وقت ایک ڈول کی آواز آئی۔میں سمجھا کہ کنویں میں ہے۔اوراس کی فراست سے خوش ہوکر بہت سا مال اس کوعطا کیا۔

اوراسی قسم کے حکایات ابومعشر سے کئے گئے ہیں کہ وہ اوراس کا رفیق ایک قیدی کوچھڑانے کے لئے جارہے تھے۔راستہ میں اس فن کے جاننے والے کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے۔اس نے کہا کہ تم ایک قیدی کو چھڑانے کے لئے جارہے ہو۔اس سے ان کو تعجب ہوا۔ابومعشر نے کہا یہ تو بتاؤ،وہ چھوٹے گا یانہیں؟ کہاتم جب جاؤ گے تو اس سے ملاقات ہوگی ۔اس حالت میں کہ چھوٹ گیا ہوگا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ابومعشر نے اس شخص کے پاس آ کر حال دریافت کیا۔کہا کہ ہم لوگ آنکھ اور نظر سے فال لیا کرتے ہیں۔اس طرح سے کہ زمین کی طرف دیکھتے ہیں، پھر سر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔پہلی نظر جس چیز پر پڑتی ہے،اس پرحکم لگاتے ہیں۔چنانچہ تم لوگ جب میرے پاس آئے،میری نظر مشک پر پڑی جس میں

پانی تھا۔میں نے کہا کہ وہ محصور ہے۔پھر تم نے دوسرا سوال کیا تو دیکھا کہ پانی مشک سے نکل گیا تھا۔میں نے خیال کیا کہ وہ چھوٹ جائے گا۔

حکایت ہے مہدی نے ایک روز خواب دیکھا اور وہ یاد نہ رہنے کی وجہ سے غمگین تھا۔کسی نے کہا کہ ایک شخص جس کا نام خویلد ہے، علم زجر اور فال میں نہایت کمال رکھتا ہے۔بادشاہ نے اس کو بلا کر مقصود بیان کیا۔اس نے کہا اے امیر المومنین صاحب زجر و فال لوگوں کی حرکات کے طرف دیکھتا ہے۔مہدی غصہ میں آ کر کہا سبحان اللہ! تم لوگوں کی عجب حالت ہے۔ایک علم ذکر کرتے ہیں اور نہیں جانتے وہ کیا ہے۔اس گفتگو میں بادشاہ نے اپنے سر اور منہ پر ہاتھ پھیر کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔یہ دیکھتے ہی اس نے کہا کہ اے امیر المومنین !اب میں آپ کا خواب بیان کرتا ہو۔وہ یہ ہے کہ آپ پہاڑ پر چڑھے تھے۔مہدی نے کہا اے جادوگر! تو نے سچ کہا۔اس نے کہا اے امیر المومنین ! میں جادوگر نہیں ہوں۔مگر بات یہ ہے کہ آپ نے جب ہاتھ سر پر رکھا تو میں نے اس سے یہ بات نکالی کہ سر جسم میں سب سے اوپر ہے۔میں اس سے سمجھا کہ آپ پہاڑ پر چڑھے تھے۔جب آپ نے پیشانی پر ہاتھ اتارا تو میں نے اس سے یہ مراد لی کہ آپ ایسی زمین پر اترے کہ جہاں دو کھارے چشمے تھے۔پھر جب آپ نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارا تو میں سمجھا کہ آپ سے ایسا شخص ملا تھا جو قبیلہ قریش سے تھا۔بادشاہ نے اس کی تصدیق کر کے بہت سا مال دیا اور اسے اپنے پاس رکھا۔انتہیٰ۔

اس علم کے نہ کوئی مبادی ہیں نہ مقاطع۔قواعد ہیں تو ایسے مہمل کہ ان سے ممکن نہیں کہ کوئی علم حاصل ہو سکے۔دیکھئے، کہاں سر پر ہاتھ رکھنا اور پہاڑ پر چڑھنا اور کہاں ران پر ہاتھ مارنا اور قریش سے ملاقات ہونا ممکن نہیں کہ استاد کی تعلیم سے یہ علم حاصل ہو سکے۔مگر جب اس کے ماہروں کے نزدیک اس کا وجود ثابت ہو چکا تو یہی کہنا پڑے گا کہ مناسبت طبعی پر اس کا مدار ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے سے ذہن واقعات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔دراصل یہ ایک عطیۂ الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے، اس کو ہدایت

کردیتا ہے۔اور اس کا ذہن کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہی نہیں۔اب کہئے، کیا مادہ میں ایسے امور کی صلاحیت ہوسکتی ہے۔عقل کی رو سے تو اجزائے دیمقراطیہ جو اجسام ہیں،ان میں ان غوامض امور معنویہ تک رسائی ممکن ہی نہیں معلوم ہوتی۔

علم اختلاج : مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ اس علم میں اعضاء کے پھڑکنے کے وہ احوال بیان کئے جاتے ہیں کہ کسی عضو کے پھڑکنے سے آئندہ کن امور کا وقوع ہوگا۔سر سے پاؤں تک حتیٰکہ اعضاء میں ہر ایک کے پھڑکنے سے خاص خاص وقائع آئندہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔یہ گویا وقائع آئندہ پر مطلع کرنے کا ذریعہ ہے۔بظاہر کوئی مناسبت دونوں میں نہیں،مگر چونکہ وہ غیر معمولی اور غیر اختیاری حرکت ہے،اس سے کوئی غرض وغایت ضرور ہوگی۔اس سے عقلا کو توجہ ہوئی اور اپنے اپنے تجربوں سے یہ حکم لگادیا کہ فلاں عضو کی حرکت فلاں قسم کے وقائع آئندہ پر دلالت کرتی ہے۔یہ تو میرا بھی تجربہ ہے کہ جب کوئی غیر معمولی طور پر روپیہ ملتا ہے تو ایک دوروز پیشتر ہتھیلی کھجلاتی ہے۔اگر زور سے کھجلائے تو زیادہ روپیہ جلد ملتا ہے۔میں حیران ہوتا ہوں کہ خود مجھے اس کا علم غیب نہیں ہتھیلی کو کہاں سے آ گیا؟ مگر تسکین اس امر سے ہوتی ہے کہ ہتھیلی بے شعور محض ہے۔خدائے تعالیٰ کو جب اطلاع دینا منظور ہوتا ہے تو ہتھیلی میں کوئی مادہ ایسا پیدا کردیتا ہے کہ اس سے خراش ہو جو باعث توجہ نفس ہے۔اور معلوم ہوجاتا ہے کہ اب ہمیں کچھ عنایت ہونے والا ہے۔ایک بزرگ کے حال میں دیکھا گیا کہ جب کبھی کھانا جائز یا مشتبہ پیش ہوتا تو ان کی انگلی کی رگ حرکت کرنے لگتی جس سے وہ متنبہ ہوکر اس کھانے سے احتراز کرتے۔

غرض کہ جن چیزوں کی اطلاع ہونا ضروری ہے،ان کو مختلف طریقوں سے اطلاع دے دیتا ہے اور جس ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے، ہر چند عقلی طور پر وہ قابل اعتماد نہیں ہوسکتا بلکہ عقل اس میں بہت کچھ کلام کرتی ہے کہ غیر معمولی احساس اعضائے جسم میں رہنے والی چیزوں سے متعلق

ہے۔مثلاً ہوایا اور کوئی مادہ اس کو مغیبات اور آئندہ کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔

علم احکام النجوم : اس میں افلاک اور کواکب کے تشکلات اور اوضاع باہمی سے استدلال کیا جاتا ہے کہ آئندہ دنیا میں کیا کیا واقعات پیش آنے والے ہیں۔اس فن میں بہت سی کتابیں ہیں۔اور یورپ وایشیاء میں اس کے ماہر اکثر ہیں۔ہر چند یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نجومی واقعات آئندہ کی نسبت جو حکم لگاتا ہے،وہ یقیناً صحیح ہے۔مگر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ کل احکام غلط ہوتے ہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ بلحاظ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔مگر اہل یورپ کے بعض فلاسفروں نے اس طرف بھی توجہ کی کہ روح کیا چیز ہے اور وہ بعد موت باقی رہتی ہے یا نہیں۔ایک مدت کی تحقیق میں ان پر یہ ثابت ہو گیا کہ انسانی روح باقی رہتی ہے۔چنانچہ لاکھوں اہل یورپ اس کے قائل ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں جس کا حال ہم نے ''مقاصد الاسلام'' کے کسی حصہ میں لکھا ہے۔

جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عالم کو پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر چیز کو اس کے لوازم واسباب وآثار کے ساتھ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔اس صورت میں برق یا نور کی حرکت میں سرعت دینا بھی اسی کا کام ہے۔اگر وہ چاہے تو نور اور برق کی حرکت کو سلب بھی کر سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جو تھوڑے عرصہ میں تمام عالم کی سیر کرائی،اگر چہ کہ عادت کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے۔مگر عقل کی رو سے کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے۔اگر نور ایک منٹ میں گیارہ کروڑ چالیس لاکھ میل کی مسافت طئے کرتا ہے تو حضرت تو ان تمام معمولی نوروں کے بھی اصل ہیں۔اگر اس سے زیادہ تر مسافت طئے فرمادیں تو کیا تعجب ہے۔خلاف عادت کو خلاف عقل سمجھنا،فہم کی غلطی ہے۔اس غلطی پر روایتوں کو غلط سمجھنا وہ تمام مستند علماء جن کی تمام لکھی ہوئی باتیں مسلمانوں کا سرمایۂ علم وایمان ہے۔ان کو بے وقوف یا جھوٹے قرار دینا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

حضرت ملائکہ سے بھی افضل ہیں

اس روایت میں جو مذکور ہے کہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایام حمل میں جو خواب میں سنا کہ تمہارے حمل میں ایسے شخص ہیں کہ کُل عالم سے بہتر ہیں۔ یہی اعتقاد اہل سنت کا ہے کہ حضرت ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کبریٰ میں حضرت ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جامع ازہر میں مباحثہ اس شعر میں ہوا جو قصیدۂ بردہ میں ہے۔

فمبلغ العلم فیه انه بشر وانه خير خلق الله كلهم

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس مضمون پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ میں نے کہا اس پر تو اجماع ہو چکا ہے۔ مگر اس نے نہ مانا اور اپنی ہی بات پر اڑا رہا۔ اس رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جامع ازہر کے منبر کے پاس تشریف رکھتے ہیں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ جب میں روبرو حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا مرحبا بحبنا۔ پھر صحابہ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ آج کیا واقعہ ہوا۔ انھوں نے کہا نہیں، یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا کہ فلان تعس (ہلاک شدہ) اس بات کا اعتقاد رکھتا ہیکہ ملائکہ مجھ سے افضل ہیں۔ سب صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ بات ہرگز نہیں۔ زمین کے اوپر کوئی چیز آپ سے افضل نہیں ہے۔ فرمایا کہ وہ تعیس زندہ نہ رہے گا اور اگر رہے گا تو ذلت اور گوشہ نشینی اور تنگی کی حالت میں رہے گا۔ اس کا کیا حال ہے جو اعتقاد رکھتا ہے کہ میری تفضیل پر اجماع نہیں ہوا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ معتزلہ کی مخالفت اہل سنت کے ساتھ اجماع میں خلل انداز نہیں ہوسکتی۔ انتہیٰ

حضرت کا علم مغیبات پہ

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی چیز افضل نہیں ہوسکتی۔ اس واقعہ سے آنحضرت

ﷺ کی وسعت علمی کا حال بھی معلوم ہوا۔ کہاں مدینۂ طیبہ اور کہاں مصر۔ مگر جو کچھ وہاں ہو رہا تھا سب پیش نظر تھا۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت کو خواب میں دیکھنے کے بعد شک نہیں کرنا چاہئے کہ فی الواقع حضرت ہی تھے یا اور کوئی شخص تھا۔ پھر اس واقعہ میں جب حضرت نے خود اس مباحثہ کی خبر دی تو اس میں بھی شک نہیں ہوسکتا کہ وہ خبر صحیح تھی یا نہیں۔ کیونکہ حضرت نے جس چیز کی خبر دی وہ یقیناً صحیح ہے اور یہ واقعہ بیان کرنے والے ایک ولئ کامل ہیں جن کی ولایت کی تصدیق ایک جم غفیر علماء اور اولیاء اللہ نے کی۔ اسی وجہ سے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ولی کامل اور عالم متبحر ہیں ان کو طبقات اولیاء اللہ میں ذکر کیا ہے۔ غرض کہ کوئی شخص اہل سنت و جماعت سے اس واقعہ کا انکار نہیں کرسکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے اعمال پر علاوہ اس طریقہ سے جو ہفتہ میں پیش ہوتے ہیں، وقت عمل بھی مطلع ہیں۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ جہاں تک ہوسکے برے کاموں سے احتراز کیا کریں تا کہ کوئی کام ہم سے ایسا نہ ہو جو حضرت کے عتاب کا باعث ہو۔ حق تعالیٰ ہماری غفلت کو دور کرے اور ہمیں شرم عطا فرمادے۔

بی بی مریم وآسیہ وغیرہ کا آنا

روایت مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت بی بی آسیہ اور بی بی مریم مع حوران بہشتی حاضر ہوئیں۔ اس سے کس قدر عظمت آنحضرت ﷺ کی ثابت ہوتی ہے۔ ان بیبیوں سے جو تمام عورتوں سے کامل اور افضل ہیں، حضرت کی دائیگی کا کام متعلق ہوا۔ اور اس کام کے لئے بہشت سے زمین پر اتاری گئیں۔ حالانکہ بمقتضائے عقل عالم جسمانی کا کام اہل اجسام سے متعلق ہوا کرتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت نور مجسم تھے اس لئے اس کام کے اہل روحانیات ہی تھے۔

عالم خاکی میں نئی نئی صورتیں دیکھنے اور نئے نئے واقعات پیش آنے سے خوف ہونا لازمۂ بشریت

ہے۔اس خوف کے دفع ہونے کے لئے منجانب اللہ یہ تدبیر ہوئی کہ کسی فرشتہ نے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل پر اپنے باز و مل دیئے جس سے وہ قوی دل ہوگئیں۔اور دردزہ کی اذیت جاتی رہی۔ ہر چند کسی کے دل کو قوی کر دینا اور درد کو دفع کرنا خدائے تعالیٰ کا کام ہے ممکن تھا کہ حق تعالیٰ حضرت بی بی کے دل میں خوف کو اور شکم میں درد کو پیدا ہی نہ کرتا۔مگر یہ عالم اسباب ہے۔اس میں ہر کام کے لئے ایک سبب مقرر کیا جاتا ہے۔اسی واسطے خدائے تعالیٰ کو ''مسبب الاسباب'' کہتے ہیں ۔چونکہ مسبب وہی ہے،اس لئے اسباب سے جو کام نکلتے ہیں ان کا بھی خالق خدائے تعالیٰ ہی ہے۔مگر اسباب مقرر کرنے میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔اسی کو دیکھ لیجئے کہ اگر حضرت بی بی کے دل میں خوف اور شکم میں اذیت نہ ہوتی تو خیال بھی نہ آتا کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو نہیں پیدا کیا۔بخلاف اس کے کہ خوف و درد کے بعد جب خلاف عادت ایک سبب قائم کیا گیا تو اس طرف توجہ ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کے اعزاز کی غرض سے ایک فرشتہ اس کام کیلئے متعین ہوا۔اور حضرت کے خیر خواہ اور امتیوں کو فخر کرنے کا موقع ملا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہمارے نبی ﷺ کی بڑی وقعت وعزت ہے۔اور مخالفین کے دلوں پر اس کا صدمہ ہوا۔کیونکہ جب اس قسم کی روایت بیان کی جاتی ہے تو ان پر نہایت شاق ہوتا ہے اور اقسام کے اعتراض شروع کر دیتے ہیں ۔غرض کہ اسباب کا قائم کرنا خالی از مصالح نہیں ،مگر بعض اسباب کی مصلحتوں کو ہم سمجھ سکتے ہیں اور بعض سمجھ نہیں سکتے ۔چنانچہ روایت مذکور میں جو بیان کیا گیا ہے کہ دیباج کا پردہ آسمان وزمین کے درمیان میں لگایا گیا تھا اور ایک شخص نے پکار کر کہا کہ ان کو لوگوں کی نگاہ سے بچالو۔معلوم نہیں کہ اس میں کیا مصلحت تھی ۔کیونکہ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں ۔مگر اس پردہ کے منکشف کرنے سے اتنا تو یقین ہوتا ہے کہ ولادت شریف کے وقت خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص قسم کا اہتمام تھا جو کسی کے واسطے نہ ہوا۔

اُس عالم کا پانی لایا گیا

اور ہوا میں جو لوگ چاندی کے آفتابے لے کر کھڑے تھے، بظاہر کوئی بات یقینی طور پر سمجھ میں نہیں آتی ۔مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تمام آلائش جسمانی سے پاک ہیں جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔اس لئے جسمانی پانی سے غسل کرنے کی آپ کو ضرورت نہ تھی۔ممکن ہے کہ کسی دوسری قسم کا غسل ہو۔مگر چونکہ حضرت کا جسم اس عالم کی غذاؤں سے بنا نہ تھا،اس لئے اس ملکوتی جسم کے غسل کے لئے پانی بھی اسی عالم کا ہونا چاہیۓ تھا۔اسیوجہ سے فرشتے آفاتبوں میں اس عالم کا پانی لئے کھڑے تھے۔پھر جب حسب عادت آپ اس عالم کی غذا نوش جاں فرمانے لگے اور بدل ما تحلل جسم مبارک میں اس سے پیدا ہونے لگا اُس وقت اس عالم کے پانی کے استعمال کی ضرورت ہوئی۔کیونکہ ہر موطن کے احکام ولوازم جدا ہوتے ہیں۔اسی کو دیکھ لیجئے کہ جب آپ اس عالم میں ہوتے تھے اور بمصداق لی مع اللہ وقت کے اس عالم سے آپ کو بے تعلقی ہو جاتی تھی تو اس عالم کے کھانے پانی کی طرف بالکل توجہ نہ فرماتے اور متواتر بلا افطار روزہ پر روزہ رکھتے اور فرماتے کہ خدا مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے حالانکہ نہ یہ کھانا ہوتا تھا نہ یہ پانی۔ورنہ صوم وصال کہنا اس پر صادق ہی نہ آتا۔چونکہ وہ دوسرے موطن کا کھانا پانی تھا۔اس لئے اس موطن کی مناسبت سے اس کی حقیقت ہی کچھ اور ہوگی۔کسی بزرگ نے کہا ہے۔ع

ذوق ایں مئی نہ شناسی بخدا تانہ چشی

حضرت کی آمد آمد کی بشارات

مواہب میں ابونعیم کی دلائل النبوہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو نقل کیا ہے کہ جب آنخضرت ﷺ کا نزول اجلال حمل شریف میں ہوا تو آسمانوں اور زمین میں حضرت کی آمد آمد کی بشارتیں پیہم ہونے لگیں اور مارے خوشی کے وحوش کی یہ حالت تھی کہ مشرق والے مغرب کی طرف اور مغرب والے مشرق کی طرف اس بشارت کے پہنچانے کے لئے دوڑے (جیسے عید کے روز مبارکباد

دینے کے لئے کمال مسرت سے لوگ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں۔) اور اسی طرح دریا کے جانور بھی خوشی سے ہر طرف بشارتیں پہنچاتے پھرتے تھے۔ انتہیٰ ملخصا۔

اور مواہب ہی میں لکھا ہے کہ اس رات ملکوت اور عالم جبروت میں ندا دی گئی کہ جوامع قدس معطر کئے جائیں اور مکلل فرش بچھائے جائیں۔ کیونکہ آج وہ نور مکنوں آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم میں منتقل ہوا۔ اور کعب احبار سے روایت ہے کہ تمام آسمان اور زمین کے تمام مقامات پر ندا دی گئی کہ آج وہ نور مکنوں شکم آمنہ میں منتقل ہوا۔ ان کو خوش خبری پر خوش خبری ہے اور اس کے ساتھ ہی عرب میں جو خشک سالی اور قحط تھا دفع ہو گیا اور تمام زمین سر سبز ہو گئی اور درخت بار آور ہوئے۔ اس وجہ سے اس سال کا نام ’سنة الفتح والابتهاج‘ رکھا گیا۔ انتہیٰ ملخصا۔

جب حمل میں تشریف لانے کا اس قدر تمام عالم میں مسرت و ابتہاج تھا تو قیاس کیجئے کہ خاص ولادت باسعادت کے روز کس قدر عالم میں خوشیاں منائی گئی ہوں گی۔ اس خوشی میں حصہ لینے والے وہی لوگ تھے جن پر حضرت کے حالات کا انکشاف کر دیا گیا تھا۔ یہ فضیلت صرف ملائکہ اور حیوانات ہی کے حصہ میں تھی۔ جن و انس اس سے محروم تھے۔ کیونکہ ان پر اگر ایسے امور کا انکشاف ہوا کرے تو ایمان بالغیب کی فضیلت سے محروم رہ جائیں گے۔ حالانکہ یہ فضیلت ایسی ہے کہ کسی کو حاصل نہیں مگر ابولہب نے بھی کسی قدر اس خوشی سے حصہ لیا تھا۔

ثوبیہ کی آزادی

چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ ثوبیہ رضی اللہ عنہا نے جو ابولہب کی لونڈی تھی، ابولہب سے کہا کیا تمہیں خبر پہنچی کہ تمہارے بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ یہ سنتے ہی کمال مسرت سے اسے آزاد کر دیا۔

تخفیف عذاب ابولہب بہ اظہار مسرت میلاد النبی ﷺ

بخاری شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے کسی قرابت دار نے اسے

خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حالت ہے؟ کہا کیا پوچھتے ہو، جب سے تم لوگوں سے علیحدہ ہوا آگ میں جل رہا ہوں۔ صرف پیر کی رات عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے اور انگوٹھے اور سبابہ کے بیچ میں اشارہ کر کے کہا کہ اس رات اس مقام سے پانی جاری ہوتا ہے جس کو میں چوستا ہوں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ثوبیہ رضی اللہ عنہا نے جب مجھے آنحضرت ﷺ کی خوش خبری سنائی تو میں نے اسے آزاد کردیا اور دودھ پلانے کو کہا تھا۔

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کافر کو جس کی مذمت میں ایک سورۃ قرآن کی نازل ہوئی ہے، میلاد شریف کی رات خوشی کرنے کا ایسا بدلہ دوزخ میں دیا جاتا ہے تو حضرت کا جو امتی اور موحد ہو، اور میلاد کی رات خوشی کر کے حسب مقدور حضرت کی محبت میں کچھ خرچ کرے تو اس کو کیسی جزا ملے گی۔ قسم ہے اس کی جزا یہ ہوگی کہ خدائے تعالی اپنے فضل وکرم سے اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اسی وجہ سے اہل اسلام ماہ میلاد شریف میں نہایت اہتمام کرتے ہیں۔ کھاتے کھلاتے ہیں اور اظہار مسرت کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھواتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر فضل الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ منجملہ اور خاصیتوں کے اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ اس سال امن رہتا ہے اور مرادات حاصل ہوتے ہیں ۔خدائے تعالی اس شخص پر رحم کرے۔ جو میلاد مبارک کی راتوں کو عید قرار دے، جس کے سبب سے جو لوگ اس کام کو برا سمجھتے ہیں، وہ خوب جلیں۔ انتہیٰ ملخصا۔

ضرورت خلوص

صدق دل سے جو کار خیر کیا جائے اس کا کچھ نہ کچھ بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے۔ تو میلاد شریف پر اظہار مسرت کرنے کے آثار دنیا میں بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ بغیر صدق کے کسی کار خیر کا فائدہ نہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ اگر کوئی وہابی مثلاً تقیہ کی راہ سے اعلیٰ پیمانہ پر محفل میلاد مرتب کرے یا کوئی اس خیال سے کہ لوگ اپنے کو کمال درجہ کا خوش اعتقاد خیال کریں، اظہار

مسرت کرے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔اس کا سر یہ ہے کہ مدار ثواب وعقاب کا دل کی کیفیات پر ہے اچھا کام بدنیتی سے کیا جائے تو برا ہوجاتا ہے۔جیسے ریا کی عبادت ۔اور برا کام نیک نیتی سے کیا جائے تو اچھا ہوجاتا ہے جیسے اصلاح بین الناس کے خیال سے جھوٹ کہنا۔غرض کہ مولود شریف کے عمدہ آثار اگر ظاہر نہ ہوں تو اپنا قصور سمجھنا چاہئے۔اگر خلوص اور صدق کیساتھ اظہار مسرت کیا جائے تو حق تعالیٰ کی طرف سے دارین میں اس کا بدلہ ضرور عنایت ہوگا۔کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ حق تعالی کے محبوب ہیں۔اور محبوب کے وجود پر جس قدر خوشی کی جائے،باعث خوشنودی حبیب ہوگی۔اور جس سے خدائے تعالیٰ خوش ہو اسے کس چیز کی کمی ہے۔

محفل میلاد بدعت ہے

زرقانی شارح مواہب نے لکھا ہے کہ میلاد کی محفلیں منعقد کرنا قرون ثلثہ میں نہ تھا۔اس لئے وہ بدعت ہے۔مگر بدعت حسنہ،جس کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ثابت کیا ہے اور تاج فاکہانی نے اس کو بدعت سیئہ قرار دیا،مگر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تحریر کو حرفاحرفا رد کردیا ہے۔

بدعت

مسئلہ بدعت ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔اس لئے تھوڑا سا اس کا حال ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔حدیث شریف میں وادر ہے:کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔اس لحاظ سے ایک فرقہ اس کا قائل ہوگیا کہ جو بدعت ہے،وہ ضلالت ہے۔مگر چونکہ ہر زمانہ میں نئی نئی ضرورتیں پیش ہوتی ہیں جن کا رفع کرنا ضروری ہے۔اگر نیا طریقہ ایجاد کرنا بالکل مذموم ہو تو بہت سی ضرورتیں پوری نہ ہوں گی۔پہلی ضرورت اسلام میں یہ پیش آئی کہ جب حفاظ صحابہ رض اللہ عنھم شہید ہونے لگے تو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن شریف ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ ہر ایک صحابی کو جس قدر قرآن شریف یاد ہے وہ کمال اہتمام سے ایک جگہ کردیا جائے۔ورنہ اس

کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا بلحاظ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ یہ نیا کام ہے میں ہرگز نہ کروں گا۔مگر آخر اسی پر فیصلہ ہوا کہ اس کام کے کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ ایک صحابیؓ اس کام پر مقرر کئے گئے۔اس کے سوائے وقتاً فوقتاً بحسب ضرورت نئے نئے کام ایجاد ہوتے گئے۔اب اگر یہ کام ضلالت سمجھا جائے تو دین کے بہت سے کام غیر مکمل رہ جائیں گے۔حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔’’ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ‘‘ ۔اس تکمیل کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے بصراحت فرمادیا کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اس کو علاوہ اس کے ذاتی ثواب کے ان لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جنھوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی وجہ سے ان کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔چنانچہ صحابہؓ خصوصاً خلفائے راشدین عمدہ عمدہ طریقہ برابر ایجاد کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کل بدعۃ ضلالہ کی کلیت ان کے نزدیک منسوخ تھی۔اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نسبت فرمایا کہ نعم البدعۃ ۔یعنی اچھی بدعت ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی ثناء وصفت کی۔یہیں سے بدعت کے دو حصے ہوگئے۔ایک کا نام بدعت حسنہ اور دوسرے کا نام بدعت سیئہ۔وہابی لوگ بیس رکعت تراویح اس وجہ سے نہیں پڑھتے کہ بدعت ہے اور عمرو رضی اللہ عنہ پر بہت خفاء ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو دین میں مداخلت کرنے کا کیا حق تھا۔

اہل انصاف ذرا غور کریں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا ورع وتقویٰ اور دین کی خیر خواہی بڑھی ہوئی تھی یا اس آخری زمانہ کے وہابیوں کی ،جن کی آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا رہتا ہے۔کبھی ان کو اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کیسی شان ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے ان کی کیسی کیسی فضیلتیں بیان کیں۔یہاں تک تو فرمادیا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔پھر عمر رضی اللہ عنہ نے دین کی ترقی میں کیسی کیسی کوششیں کیں اور اس کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیا۔یہ لوگ ایسے جلیل

القدر صحابی ؓ کو کہتے ہیں کہ وہ جاہل تھے۔ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ دین میں کسی امر کی زیادتی یا کمی کرنا بدعت عتاب الٰہی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس تعصب کے پردہ کو ان کی آنکھوں پر سے نکال دے تا کہ ہر چیز کا حسن و قبح ان کو نظر آ جائے۔

اگر یہ لوگ تعصب کو دور کر کے مسئلہ میلا د پر غور کریں تو یقین ہے کہ اس پر اظہار مسرت کو ہر گز برانہ سمجھیں گے۔ دیکھئے، کسی کا باپ کسی شہر میں مقتدا مانا جائے تو اس کی اولاد کو اس نسبت کا کس قدر افتخار ہوتا ہے اور لوگ بھی عزت کرتے ہیں اور صاحبزادے کہتے ہیں۔ جب باپ کے سر برآوردہ ہونے پر اولاد کو افتخار ہوتا ہے تو نبی کے سر برآوردہ بین الانبیاء ہونے سے امتیوں کو کس قدر افتخار ہونا چاہئے۔ کیونکہ باپ کے ساتھ صرف جسمانی تعلق ہے اور نبی کے ساتھ روحانی تعلق ہے۔ اور ظاہر ہے کے باپ صرف جسم کے وجود کا سبب ہوتا ہے جو چند سال میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور جو روحانیت کہ نبی کے وجود سے امتیوں میں پیدا ہوتی ہے، کبھی فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ ابدالآباد کے لئے ان کو سعید بنا دیتی ہے۔ اگر بالفرض حضرت کی امت حضرت کی ولادت شریف کے وقت ہوتی اور ان کے وہ سب فوائد و منافع جو حضرت کی ذات سے متعلق و وابستہ ہیں، سب پیش نظر ہوتے اور حضرت کے فضائل ذاتی جو صف انبیاء علیہم السلام میں آپ کو ممتاز کرنے والے ہیں سب ذہن نشین رہتے تو کہئے کہ اس وقت مارے خوشی کے ان کا کیا حال ہوتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حیوانات و ملائکہ کو حضرت کی ولادت سے جو خوشی ہوئی تھی، اس سے بر جہا زیادہ ہوتی۔ کیونکہ حضرت کو جوامت کے ساتھ خصوصیت ہے، وہ ان کے ساتھ نہیں۔ اگر ہم مرتے دم تک حضرت کی امت میں رہیں اور خدا کرے کہ رہیں تو حضرت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے دربار عام میں قیامت کے روز حاضر ہونگے۔ یہ شرف عالم میں نہ ملائکہ کو حاصل ہوگا نہ حیوانات کو۔

غرض کہ امتیوں کو حضرت کے میلاد شریف کی خوشی ہونا ایک ضروری اور مقتضائے فطرت ہے جس کا کوئی منصف مزاج امتی انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس خوشی سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہو سکتی اس لئے اس

کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ہر وقت اس خوشی کا اثر دل میں لگا رہتا، مگر مقتضائے طبیعت ہے کہ کیسی ہی نعمت ملے ، چند روز میں اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ سماعت ، بصارت وغیرہ کیسی نعمتیں ہیں مگر کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ ایسی نعمتیں ہمیں دی گئیں اور دینے والے کا شکر ہم پر واجب ہے۔ ایسی نعمت کی تجدید مسرت کے لئے کسی یاد دلانے والی چیز کی ضرورت ہے اور وہ یاد دلانے والی چیز زمانہ کی معاودت ہے، کیونکہ عام اصطلاح کے موافق ہر ہفتہ میں ہر دن اور ہر سال میں ہر مہینہ لوٹ کر آتا ہے اور حق تعالی نے بھی اس کا اعتبار فرمایا۔

دیکھئے عید قربانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کل واقعات کو پیش نظر رکھنے بلکہ اس کی حکایت کرنے کو فرض کر دیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی دوبارہ زندگی ہونے کی عید مسلمانوں میں قرار دی گئی۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حج اور عید ذی الحجہ کی حقیقت بظاہر سوائے اس ایک واقعہ کی حکایت کے اور کچھ بھی نہیں ۔ جب اسمٰعیل علیہ السلام کی دوبارہ زندگی پر مسلمانوں کو ہر سال عید منانے کا حکم ہوا تو حضرت ابوالعالم فخر انبیاء ورسل مسجود خلائق ﷺ کی ولادت باسعادت پر امتیوں کو کس قدر خوشی ہونی چاہیئے۔

اگر کہا جائے کہ بجائے عید ذی الحجہ کے اسلام میں ربیع الاول کی عید کیوں مقرر نہیں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ سے زیادہ ہیں اور ہر ایک نبی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ضرور ہوگا کہ باعث مسرت ہو۔ مثلاً آدم علیہ السلام کی پیدائش ، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاتھ سے نجات پانا ، ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود سرد ہو جانا وغیرہ ، ان تمام سے صرف اسمٰعیل علیہ السلام جو ہمارے نبی ﷺ کے جد تھے، ان کا واقعہ عید بنایا گیا۔ اس سے مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ امتیوں کو نظیر ہاتھ آ جائے تاکہ اگر اپنے نبی کی ولادت کے روز کو عید ٹھہرا دیں تو خودسری کا الزام ان پر عائد نہ ہو۔ اور تعجب نہیں کہ امتیوں کے ایمان کا موازنہ بھی اس سے مقصود ہو۔ کیونکہ یہ صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ جس کو

حضرت کے ساتھ اپنی جان و مال سے زیادہ محبت نہ ہو، اس کو ایمان ہی نہیں۔ پھر محبت کا لازمہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کے وجود اور فضائل سے خوشی ہو اور جو خوش نہیں ہوتا اس کو محبت سے کوئی تعلق نہیں۔

عید میلاد مقرر نہ ہونے کا سر

عید میلاد مقرر نہ کرنے میں یہ سر معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ روز عید مقرر کیا جاتا تو ہر شخص ادائے فرض کے لحاظ سے مراسم عید بجالاتا جس طرح حج طوعاً و کرہاً کیا جاتا ہے، اور محبّ غیر محبّ میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ محبت میرے دل میں ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کے ظاہر کرنے میں کون چیز مانع ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ تعین وقت بدعت ہے تو ہم کہیں گے کہ بدعت وہ ہے جس کی نظیر شرع میں نہ ملے اور یہاں نظیر موجود ہے۔ یعنی عید قربانی۔ بہر حال اگر باتیں بنانا چاہیں تو اس میں بڑی گنجائش ہے اور ہمیں ضرورت نہیں کہ ہر بات کا جواب دیں۔ صرف اصول شرعیہ پیش کر دینے کی ضرورت تھی تا کہ محبین صادق کے لئے کوئی امر حائل اور مانع نہ ہو۔

فضیلت شب میلاد

مواہب میں لکھا ہے کہ حضرت کی ولادت شریف میں اختلاف ہے۔ بعض رات میں کہتے ہیں بعض دن میں۔ اگر رات میں ہوئی ہو تو وہ رات لیلۃ القدر سے افضل سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور شب میلاد میں سرور عالم ﷺ تشریف لائے لیلۃ القدر حضرت کو دی گئی اور یہ رات خود حضرت کے ظہور کی ہے۔ اور لیلۃ القدر کی خصوصیت حضرت کی امت کے ساتھ ہے اور اس رات کا فضل تمام عالم کے لئے اس لئے کہ رحمۃ للعالمین نے اس میں تشریف لا کر تمام عالم کو مستحق رحمت بنایا۔ انتہی ملخصاً۔

شارح زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ شب میلاد گذر گئی اور اس زمانہ میں لیلۃ القدر کا وجود بھی نہ تھا۔ رہے شب میلاد کے امثال جو ہر سال مکرر ہوتے ہیں تو ان کی فضیلت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔ بخلاف شب قدر کے کہ اس کی

فضیلت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔اور اگر ہم شب میلاد کی فضیلت کو تسلیم بھی کر لیں تو اس سے چنداں فائدہ نہیں۔اس لئے کہ زمانہ کی فضیلت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس میں جو کام کیا جائے وہ افضل ہو۔نفس زمانہ کی فضیلت چنداں مفید نہیں ہوسکتی۔انتہیٰ ملخصا۔

یہ درست ہے کہ امثال شب میلاد جو مکرر ہوتے ہیں،اُن کی فضیلت میں کوئی حدیث وارد نہیں،مگر جب ہمیں مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتے تھے۔جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ وہ میری ولادت کا دوز ہے تو ہمیں امثال کی فضیلت ماننے میں کچھ تامل نہ ہوگا۔کیونکہ امثال روز ولادت کو حضرت نے یہ وقعت دی کہ ہمیشہ بنفس نفیس روزہ رکھا کرتے تھے۔اس سے اُس روز کی فضیلت ثابت ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس روز کا عمل بھی افضل ہے۔جب خود شارع علیہ السلام نے امثال یوم ولادت کو افضل ترین عبادات یعنی روزہ کے ساتھ مخصوص فرما کراُسے وقعت دی تو ہمیں بھی ضرور ہے کہ اس کی وقعت کو مسلم رکھیں۔'' قال تعالی: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة‘‘۔اور بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اظہار مسرت میلاد کے صلہ میں ہر دوشنبہ کے روز ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور عین دوزخ میں ٹھنڈا پانی ملتا ہے تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک امثال روز ولادت بھی قابل قدر اور مفید ہیں۔الحاصل فضیلت امثال یوم ولادت کی بحث بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس میں اظہار مسرت کرنا دوسرے عالم میں علیٰ حسب مراتب دفع آفات و رفع درجات کا باعث ہے۔یوں تو ہر دوشنبہ کو شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ حضرت روزہ رکھ کر شکر یہ ادا کرتے تھے۔مگر ہم امتیوں کو اتنا تو ضرور ہے کہ سال میں ایک بار اظہار مسرت کیا کریں۔'' وماتو فیقنا الا باللہ‘‘۔

